اس کتاب کا مطالعہ شیعہ و سنی سب کیلئے یکساں مفید ہے

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ (القرآن)

اِصلاحِ شیعہ

اہل تشیع کے اپنے مذہب سے تصادم کی تاریخ

عربی

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی

اردو

ابو مسعود آل امام

تالیف

مومنوا الد

اصلاحِ شیعہ

اہلِ تشیع کے اپنے مذہب سے تصادم کی تاریخ

شیعہ کے اپنے عقائد و اعمال سے انحراف کے تاریخی پس منظر
علمی تنقیدی جائزے اور قابلِ عمل اصلاحی تجاویز پر مشتمل یہ کتاب
ایک بلند پایہ شیعہ محقق عالم کی تصنیف ہے جس کا مطالعہ شیعہ و سنی
عوام و خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

عربی

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی

اردو

ابو مسعود آلِ امام

کتاب . شیعہ والتصحیح

مؤلف : ڈاکٹر موسیٰ موسوی

ترجمہ : اصلاحِ شیعہ

مترجم : ابومسعود آلِ امام

طبع : اوّل

تاریخ : فروری ۱۹۹۰ء

رجب ۱۴۱۰ھ

تعداد . پندرہ ہزار

الاھداء

یہ کتاب اسلام، انسان اور عقل کا دفاع کرتی ہے۔ میں اس کے ذریعے اللہ کی رضا، مدد اور مغفرت کا طلب گار ہوں۔

میرے مخاطب ہر مکان و زمان کے شیعہ ہیں، میری یہ کتاب ہر اس شخص کے نام ہے جو دل لے (؟) تصحیح و اصلاح پر کان دھرے اور اس کے اصول و مقاصد کے لئے جدوجہد کرے۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مؤلف کا تعارف

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی الامام الاکبر سید ابوالحسن الموسوی الاصفہانی کے پوتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں بمقام "نجف اشرف" پیدا ہوئے اور وہیں یونیورسٹی میں مروجہ تعلیم مکمل کی اور "اجتہاد" کے موضوع پر فقہ اسلامی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۵ء میں طہران یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۹ء میں پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔

۱۹۶۰ء سے ۶۲ء تک بغداد یونیورسٹی میں اقتصاد اسلامی کے پروفیسر رہے۔

۱۹۶۸ء سے ۷۸ء تک بغداد یونیورسٹی میں اسلامی فلسفہ کے پروفیسر رہے۔

۱۹۷۳ء سے ۷۴ء تک ہالہ یونیورسٹی جمہوریہ جرمنی میں، طرابلس یونیورسٹی لیبیا میں مہمان استاذ (VISITING PROFESSOR) رہے۔

۱۹۷۵ء سے ۷۶ء تک ہارڈ ورڈ یونیورسٹی امریکہ میں استاذ باحث (RESEARCH PROFESSOR) کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۹۷۸ء میں لاس انجلس یونیورسٹی میں مہمان استاذ ہو کر گئے۔

۱۹۷۹ء سے مغربی امریکہ میں "المجلس الاسلامی الاعلیٰ" کے منتخب صدر نشین ہیں۔

موصوف کی اب تک نو عربی کتب طبع ہو چکی ہیں۔

آپ بڑے بلند پایہ شیعہ محقق ہیں، ایرانی انقلاب کا انہوں نے نہ صرف قریب سے مشاہدہ کیا بلکہ اس کے لئے بھرپور جدوجہد بھی کی۔ آیت اللہ خمینی کے ساتھ ان کے قریبی روابط رہے۔ جلاوطنی کے ایام میں انہوں نے بارہا ان کی دست گیری کی، ڈھارس بندھائی اور ان کے کام آئے۔ خمینی کے مقتول بیٹے مصطفیٰ خمینی کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات تھے۔

مؤلف نے اپنی دیگر تصانیف میں خمینی کی شخصیت سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی تمام کتب قابلِ مطالعہ ہیں اور اپنے اپنے موضوع پر جدت کا رنگ لئے ہوئے۔ قارئین کرام اس کتاب میں ایک منصف مزاج، عدل پسند، روشن خیال، صاحب علم ونظر شیعہ محقق کے قلم سے تشیع کی تصویر اور شیعہ کا اپنے مذہب سے "حسنِ سلوک" اور اس پر عمل کا انداز ملاحظہ فرمائیں گے۔

اللہ کرے شیعہ حضرات کو اس کتاب کے مطالعہ سے نورِ ہدایت نصیب ہو اور حقائق وخرافات میں تمیز کی توفیق ارزانی ہو۔ واللہ ہو الموفق۔

۹ رجب ۱۴۱۰ھ
۶ فروری ۱۹۹۰ء

مُقَدَّمَہ

سخنہائے گفتنی

بسم اللہ، والحمد للہ، والصلاۃ علی رسول اللہ أما بعد:

میری پیدائش ایک ایسے گھر میں ہوئی جو شیعہ قیادت کا مرکز تھا، وہیں پرورش پائی اور جوان ہوا۔ ”غیبت کبریٰ“[1] سے لے کر آج تک تاریخ تشیع میں سب سے بڑے دینی قائد و پیشوا کے پاس تعلیم و تربیت حاصل کی یہ تھے ہمارے جدِ امجد الامام الاکبر السید ابوالحسن الموسوی جن کے بارے میں کہا گیا ہے،

”أنسی من قبلہ وأتعب من بعدہ“ (۲)

”اپنے سے پہلے لوگوں کو فراموش کرا دیا اور بعد والوں کو عاجز کر دیا۔“

شیعہ اور تشیع کے متعلق قیل و قال سے بھرپور اس ماحول میں اور جس میں حالات و واقعات صدیوں پر محیط شیعہ اور اہل سنت کے مابین فرقہ وارانہ اختلاف کے متعلق خود بول رہے ہوں، مجھے شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان المناک اختلافات سے سخت تکلیف ہوتی تھی میں ان اختلافات کے قبیح و مذموم نتائج کا براہِ راست قریب سے مشاہدہ کر رہا تھا۔

---

(۱) غیبت کبریٰ سے مراد شیعہ امامیہ کے بارہویں ”الامام المہدی“ کا غائب ہو جانا ہے جو ۳۲۹ھ میں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو فصل ”الامام المہدی“

(۲) یہ قول مرحوم امام شیخ محمد حسین کاشف الغطاء کا ہے۔

نیز میری پرورش ان پُرعزم اور جرأت مندانہ اقدامات کے سائے میں ہوئی تھی جو میرے جدّ امجد الامام الاکبر شیعہ اور اہل سنت کے مابین عظیم تر اتحاد کی منزل تک پہنچنے کے لئے ان دونوں گروہوں کے درمیان تعلقات مضبوط کرنے کی راہ میں موجود مشکلات پر قابو پالینے کے لئے کر رہے تھے، ان کی یہ مساعی عالم اسلام میں مسلط استعماری سیاسی چالوں کے ساتھ متصادم تھیں جن کی پشت پناہی جامد عقلیں متعصب افراد اور وہ لوگ کر رہے تھے جن کا مفاد اسی فرقہ پرستی سے وابستہ تھا یہیں سے مجھے اس کام کی اہمیت اور تقدس کا بیک وقت احساس وشعور ہونے لگا۔

میرا یقین مزید محکم اس وقت ہوا جب مجھ پر کھلنے لگا کہ میرے والد محترم (جنہیں نجف اشرف میں حضرت علیؓ کے مقبرہ کے احاطہ میں مغرب اور عشاء کے درمیان مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے ایک مجرم نے لمبے بیدردی سے ذبح کردیا جیسے قصاب جانور ذبح کرتا ہے جب کہ وہ محراب میں نماز ادا کر رہے تھے) کی شہادت بھی درحقیقت سامراجی سازش کا نتیجہ تھی جو جدّ امجد سید ابوالحسن کو ان کے اصلاحی اقدامات سے باز رکھنے کے لئے کی گئی لیکن سید ابوالحسن نے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مصیبت برداشت کی اور اپنے جگرگوشہ اور محبوب ترین ہستی کے قاتل کو معاف کر کے اللہ تعالیٰ سے ۔ ۔ ثواب کی اُمید رکھی اور مصلحین کو ایسا سبق دیا جو شیعہ کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہے اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ مصائب و آلام کی آندھیاں ایک مصلح کے دل کو متزلزل اور دشواریاں اس کے عزائم کو کمزور نہیں کرسکتیں اور بغض و عناد اور جذبۂ انتقام اس کی شخصیت پر اثرانداز نہیں ہوسکتا بلکہ وہ سربلند چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہ کر اس عقیدہ کا دفاع کرتا رہتا ہے، جسے وہ فرد و معاشرہ میں مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہے۔

اس سب کچھ کے بعد مجھ میں شیعہ کے بعض عقائد و اعمال میں اصلاح کی فکر پیدا ہونا طبعی امر تھا خاص طور پر ان عقائد و اعمال میں جو شیعہ کے دیگر اسلامی فرقوں کے

ساتھ اختلاف کا سبب بنے اور جو بذاتِ خود روحِ اسلام اور صحیح منطق سے متصادم ہیں اور میرے خیال میں یہی امور ہیں جنہوں نے شیعہ مذہب کی شکل بگاڑ کر اس کو پوری اسلامی دنیا بلکہ تمام عالم میں بدنام کر دیا ہے ۔

اس کے ساتھ ہی میرا خیال ہے کہ صرف اسباب گنوا دینا اس مشکل کا حل نہیں ہے بلکہ عملی حل پیش کرنا ضروری ہے جس کے متعلق میں تمام انحاء عالم سے مطالبہ کرسکوں کہ اگر وہ دنیا و آخرت کی ایک ساتھ بھلائی چاہتے ہیں تو اس کی پابندی کریں۔ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین اختلاف پر غور و فکر کے دوران میں اس قطعی نتیجے پر پہنچا کہ ان کے درمیان وجہ اختلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت یا حضرت علیؓ کا کسی دوسرے کے مقابلے میں خلافت کا زیادہ حق دار ہونا نہیں ہے کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ زیدی شیعہ جو کروڑوں سے زائد آبادی پر مشتمل فرقہ ہے حضرت علیؓ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے زیادہ حق دار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن ان کے اور اہل سنت کے درمیان اخوت و محبت اور یگانگت کی فضا قائم ہے، لہذا ثابت ہوا کہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین تنازع کا بنیادی سبب مسئلہ خلافت نہیں بلکہ خلفاء راشدین کے متعلق شیعہ کا رویہ اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کی روشِ بد ہے۔ یہی وہ امر ہے جس سے زیدی شیعہ اور بعض دوسرے فرقے محفوظ ہیں۔ اگر امامیہ شیعہ بھی زیدی شیعہ کی روش پر اکتفا کر لیتے تو یہ چپقلش کم ہو جاتی اور اختلافات کے فاصلے سمٹ جاتے لیکن شیعہ نے خلفاء راشدین کی تنقیص اور توہین شروع کر دی جس سے فتنہ برپا ہوا۔

میں رات دن اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے علم و بصیرت مرحمت فرمائے اور مجھے قوت و توفیق عطا کرے کہ میں اصلاح و تصحیح کا پیغام، جس کا مجھے زمانہ جوانی کے دنوں ہی سے شوق و شغف تھا کامل طور پر ادا کرسکوں۔ میری ان نیک دعاؤں کا نتیجہ اس کتاب (اصلاح شیعہ ۔ شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی) کی صورت میں

برآمد ہوا جسے ہر جگہ اور ہر زمانے کے شیعہ حضرات کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

یہ پکار شیعہ کے نام ہے جس کا بنیادی محرک اللہ تعالیٰ، اسلام کے دائمی پیغام، مسلمانوں کی قوت و شوکت اور احترام انسانیت پر غیر مشروط ایمان و ایقان ہے۔

یہ پکار عظیم تر اصلاح کے طریقوں کی طرف دعوت ہے جس کا مقصد شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین گروہی اختلاف کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے۔

یہ پکار اللہ کے نام کی دہائی ہے تاکہ شیعہ اس گہری نیند سے بیدار ہوں جس میں وہ بارہ صدیوں سے مستغرق ہیں۔

یہ مسلمانوں کی آپس کی معرکہ آرائی کی المناک اندوہگیں داستان ہے جو آج تک جاری ہے یہ شیعہ کے نام عقل و ایمان کی آواز ہے تاکہ وہ اپنے وجود سے اس گرد و غبار کو جھاڑیں جس میں وہ سالہا سال سے اٹے ہوئے ہیں اور یک لخت اٹھ کھڑے ہوں اور کسی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اور نہ ہی اس مذہبی قیادت کے فیصلوں کا انتظار کریں جس نے انہیں فکری، اجتماعی اور دینی زندگی میں پسماندگی سے دوچار کر دیا ہے اس طرح میرا عقیدہ اور میرا احساس فرض مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں لاکھوں شیعہ بھائیوں سے یہ کتاب پڑھنے کی پُر زور اپیل کروں۔

مؤلف

امامت و خلافت

شیعیت اور شیعہ کے مابین پہلا معرکہ اس وقت برپا ہوا جب انہوں نے تشیّع کے معنی میں تحریف کرتے ہوئے حضرت علیؓ اور اہلبیت کی محبت کی بجائے خلفائے راشدین کی مذمت اور براہ راست ان پر اور بالواسطہ حضرت علیؓ اور ان کے اہلِ بیت پر نکتہ چینی کا نام تشیّع رکھ دیا ۔

ڈ : چوتھی صدی ہجری تک خلافت کا تصوّر

ب : شیعہ اور شیعیت

ج ، انحراف

د : اصلاح

خلافت کے بارے میں شیعہ امامیہ کا عقیدہ

جس قدر میں نے شیعہ، شیعیت اور فرقۂ امامیہ کے عقائد پر غور کیا مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ شیعہ اور تشیع میں بڑا بُعد ہے بعض اوقات تو یہ فاصلہ واضح تر تضاد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب صاف نظر آنے لگتا ہے کہ شیعہ مذہب شیعہ فرقہ سے الگ کوئی دوسری چیز ہے اور ایسے ہی تشیع اور اہل تشیع کے مابین پلنے جانے والے اختلاف کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرنے سے مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ ان اختلافات کے پیدا ہونے اور پروان چڑھنے کے تین زمانے ہیں۔

عصرِ اوّل میں اس اختلاف کی ابتدا ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب "غیبت کبرٰی" کے بعد فکری کشمکش ظہور پذیر ہوئی۔ یہیں سے عصرِ ثانی کا راستہ ہموار ہوا جس میں ایک طرف شاہ اسماعیل صفوی کے ہاتھ پر ۹۰۷ھ میں دولتِ صفویہ کا ظہور ہوتا ہے اور دوسری طرف ایران میں شیعہ اسٹیٹ قائم ہو جاتی ہے اور یہیں سے معرکہ آرائی کا تیسرا اور آخری دور شروع ہوتا ہے جس میں شیعہ مذہب اور اہل تشیع کے جدید افکار کے درمیان وہ معرکہ آرائی

شروع :- ئی جس کا مشاہدہ ہم تاحال کر رہے ہیں یہی وہ افکار ہیں جنہوں نے شیعہ معاشرے کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ہے اور ان پر خطر اور اندوہناک نتائج تک پہنچا دیا ہے جنہیں زمین و آسمان بھی برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے اس اصلاحی رسالہ میں وضاحت کی خاطر ضروری سمجھتے ہیں کہ اہل تشیع کے افکار حقیقی صورت میں پیش کر دیں پھر راہِ حق کی نشاندہی بھی کر دیں تاکہ قاری ان کی روشنی میں کسی واضح نتیجہ تک پہنچ سکے۔

امامیہ شیعہ کے مذہب کا بنیادی پتھر امامت ہے اور یہی حال مذہب زیدی اور اسماعیلی کا بھی ہے[1] اور وہ تمام مسائل اسی کی فروع ہیں جو ان فرقوں کے دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ بحث و جدل کا باعث ہیں۔

شیعہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت حضرت علیؓ کے پاس تھی اور ان کے بعد بارہویں امام محمد بن حسن العسکری ملقب بہ مہدی تک حضرت علیؓ کی اولاد میں رہی اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مقامات میں اشارۃً اس کا ذکر کیا تو کئی دیگر مقامات پر واضح طور پر بیان کر دیا ان میں سے سب سے مشہور مقام و موقع "غدیر خم" ہے جہاں آپ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر حضرت علیؓ کی بیعت لی اور فرمایا:

من کنت مولاہ فھذا علیؓ مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ ،

جس کا میں مولا ہوں سو یہ علی بھی اس کا مولیٰ ہے اے اللہ!

---

(۱) زیدیہ کا عقیدہ ہے کہ امامت زید بن علی بن حسین بن علی کی اولاد میں جاری ہے جب کہ اسماعیلیہ یہی عقیدہ اسماعیل بن جعفر بن محمد الصادق کے بارے میں رکھتے ہیں۔

جو علیؓ سے موالات رکھے تو اس کا والی بن اور جو اس سے
عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔

یہ سن ۸ ہجری ۱۸ ذی الحجہ کا واقعہ ہے اور شیعہ جہاں کہیں پلئے جاتے ہیں اس دن ہر سال جشن مناتے ہیں اور اسے "عید غدیر" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

دیگر اسلامی فرقوں کی رائے یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم الرفیق الاعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے کسی کو اپنے بعد خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ عامہ مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیا اور آپ نے مندرجہ ذیل دو آیتوں میں کتاب اللہ کی نص پر عمل کرتے ہوئے ایسا کیا:

۱ : وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ۔

اور وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں (۱)

۲ : وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔

(اے نبی) اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو (۲)

فریقین (شیعہ و اہل السنہ) کے مابین اختلاف کا خلاصہ یہی ہے ہر فرقہ کی اپنی اپنی آراء اور اپنے اپنے دلائل ہیں جب کہ فریقین کے علماء نے اس موضوع پر سینکڑوں مختصر اور طویل کتب بھی تالیف کی ہیں اور یہ کتب اپنی طوالت اور کثرت کے باوجود حصولِ مقصد کے لئے کار آمد ثابت نہیں ہوئیں؛ نہ تو شیعہ نے خلافت کے بارے میں اپنا عقیدہ چھوڑا اور نہ ہی اہل السنہ اپنی ان آراء سے دستبردار ہوئے جنہیں وہ قابلِ اتباع سمجھتے تھے اور اس سے بڑھ کر مشکل یہ پیش آئی کہ یہ فکری اختلاف اس حد تک

---

(۱) شوریٰ ، : ۳۸

(۲) آل عمران : ۱۵۹

پہنچ کر رک نہیں گیا بلکہ عصر رسالت کے بعد چند سال گزرتے ہی اس اختلاف نے بڑی خطرناک شکل اختیار کرلی اگر یہ اختلاف اسی حد تک رہتا تو مسئلہ آسان تھا۔

عالم اسلام نے اپنی طویل تاریخ میں کسی اور وجہ سے اتنی مشکلات ومصائب کا سامنا نہیں کیا، جتنا خلافت اور اس میں اختلاف سے متعلقہ فروعی مسائل کی وجہ سے کیا ہے۔

جیسا کہ ہم اس کتاب کے مقدمہ میں سرسری اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ فکری اختلاف علمی بحث اور اختلاف سے آگے بڑھ گیا تھا بلکہ اس وقت اس نے بڑی تند وتیز اور تکلیف دہ صورت اختیار کرلی جب شیعہ نے خلفاء راشدین اور بعض امہات المؤمنین کے بارے میں جرح وقدح شروع کر دی اور ایسے درشت لہجے اور سخت اسلوب میں جو کسی عام مسلمان کی طرف سے دوسرے مسلمان کے لائق شان بھی نہیں۔ کجا یہ کہ کسی اسلامی فرقے کی طرف سے ایسے جملے اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں صادر ہوں جبکہ مسلمانوں کے دلوں میں اصحاب رسول کی بڑی قدر ومنزلت ہے اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی ازواج مطہرات کو خود ذات باری تعالیٰ نے امہات کے لقب سے تعبیر کیا۔

اس مقام پر ظاہر ہوا کہ فریقین کے عقیدہ وطرز فکر میں نمایاں فرق ہے۔

اس لئے کہ تمام اسلامی فرقے حضرت علیؓ کے ساتھ بھی ان سے پہلے خلفائے راشدین کی طرف محبت وتکریم کا دم بھرتے ہیں، اہل بیت کا احترام کرتے ہیں اور نماز میں صبح وشام ان پر درود پڑھتے ہیں اس کے برعکس خلفائے ثلاثہ کے متعلق شیعہ کا موقف دوسرا ہے جو درشتی سنگدلی اور بدزبانی پر مبنی ہے۔ نتیجۃً دیگر اسلامی فرقوں کے علماء کی طرف سے اپنے قابل عزت واحترام خلفائے کرام کے دفاع میں بھی شدید ردعمل ظاہر ہوا۔ چنانچہ اہل السنۃ کے مؤلفین اور علماء نے شیعہ کے رد میں چھوٹی بڑی کتابیں تالیف کیں جن میں کہیں شیعہ کو کفر کا طعنہ دیا اور کہیں انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اس طرح فریقین کی مذہبی کتب کا بیشتر حصہ مسئلہ خلافت وامامت کی بحث پر صرف ہوا اور تاحال اہل قلم لکھنے میں مشغول ہیں اور مسلسل کتابیں نشر ہو رہی ہیں گویا کہ مصائب ومسائل میں گھری ہوئی اس دنیا میں

مسلمانوں کے تمام طبقوں کو مسئلہ خلافت کے علاوہ کوئی بھی مشکل در پیش نہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر حیرت اس طریقے پر ہوتی ہے جو شیعہ نے اس مسئلہ کے حل کیلئے اختیار کیا ہے جو حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد۔ جنہیں شیعہ اپنا امام قرار دیتے ہیں ۔۔۔ کی سیرت کے بالکل برعکس ہے اِسی لئے میں حیرت و دہشت میں گُم ہو جاتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ شیعہ نعرہ تو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی محبت کا لگاتے ہیں مگر ان کی سیرت طیبہ کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر انہی کی زبان اور ان کے عقائد کے دائرے میں رہ کر گفتگو کروں تاکہ ان کے خلاف حجت قائم ہو سکے چنانچہ میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اس وقت دو متضاد امر در پیش ہیں ایک تشیع یعنی اصل شیعیت، دوسرے شیعہ اور یہیں سے میں نے نتیجہ اخذ کرنا شروع کیا کہ غیبت کبریٰ کے بعد شیعہ اور شیعیت کے درمیان براہِ راست جو تصادم ہوا۔ غیبت کبریٰ کے بعد سے آج تک تمام انحرافات کا سبب یہی تھا اور ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہی انحراف شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان اختلاف کا سبب ہے جن میں سے ہر ایک کی تفصیل کے لئے اس کتاب میں الگ الگ فصل خاص کی گئی ہے۔

عہدِ نبوی میں خلافت کا تصوّر

جب ہم عصرِ نبوی اور آپ کی وفات کے بعد خلافت کی عمومی صورت پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو اس یقینی نتیجے تک پہنچتے ہیں جس میں قطعاً دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد استحقاقِ خلافت کے لئے اولویت اور افضلیت کا مسئلہ سامنے آ گیا تھا چنانچہ ایک طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب ۔ جب کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے ۔ حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

"أعطني يدك لأبايعك حتى يقول القوم عمّ رسول الله
بايع ابن عمّ رسول الله"
ہاتھ آگے کیجئے میں آپ کی بیعت کروں تاکہ لوگ کہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے آپ کے چچازاد کے ہاتھ پر بیعت
کرلی ہے"

اور امام علیؓ جواب میں فرماتے ہیں:
وهل يطمع فيها طامع غيري ثم إنني لا
أريد أن أبايع من وراء رتاج"
کیا میرے علاوہ بھی کوئی اس کی توقع رکھتا ہے نیز میں خفیہ
طریقے سے بیعت لینا بھی نہیں چاہتا
اور دوسری طرف مسلمان سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے
بارے میں غور کرنے کیلئے جمع ہیں۔
انصار مہاجرین سے کہتے ہیں۔
"منا أمير ومنكم أمير"
ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہوگا۔
اگر حضرت عمرؓ معاملے کو یہیں ختم کرکے حضرت صدیقؓ کی بیعت نہ کرتے
تو قریب تھا کہ حاضرین میں فتنہ بپا ہوجاتا سو اس کے بعد باقی تمام مسلمانوں نے بھی ابوبکر رضی اللہ
عنہ کی بیعت کرلی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے سردار ناراض ہوکر اجتماع
سے چلے جاتے ہیں کیوں کہ وہ خود کو دوسروں کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔
حضرت علیؓ کچھ وقت تک بیعت سے باز رہے مگر انہوں نے نئے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ
کی برضا و رغبت بیعت کرلی البتہ استحقاق خلافت کے مسئلہ میں اپنی اولیت کا نظریہ ان کے دل

میں جاگزیں رہا اور فاطمۃ الزہراؑ، آپ کے بعض ساتھی اور بنی ہاشم بھی اُن کے ہم خیال رہے حتیٰ کہ حضرت عمر نے حضرت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عباس سے کہا:

أما واللہ إن کان صاحبك أولی الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلا أنا خفناہ علی اثنین، حداثۃ السن وحبہ بنی عبد المطلب

اللہ کی قسم بلاشبہ تمہارے صاحب خلافت کے تمام لوگوں سے زیادہ حق دار تھے لیکن ہمیں ان کی کم عمری اور بنی عبد المطلب سے گہری محبت کا ڈر تھا۔"(۱)

دوسری بار ہم حضرت عمرؓ کو بستر مرگ پر حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہوئے سنتے ہیں:

واللہ لو ولیتموہ أمرکم لحملکم علی المحجۃ البیضاء"

اللہ کی قسم اگر تم اسے امیر مقرر کر لو تو تمہیں روشن شاہراہ پر چلائے گا۔" (۲)

یہیں سے یہ کہنا ممکن ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف داری یعنی تشیع کا وہ جس کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ظاہر ہوا اور تیسری ہجری تک قائم رہا جب کہ تشیع سے مراد یہ تھا کہ امام علیؓ دوسروں کی نسبت خلافت کے اوّلیں حقدار ہیں لیکن مسلمانوں نے آیت کریمہ:

(۱) شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۴۴

(۲) شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۶۴

"وأمرھم شوریٰ بینھم"

"وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں"[1]

کے پیش نظر احکام قرآن کی پیروی کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ چن لیا اور امام علیؓ بھی دیگر لوگوں کی طرح اس انتخاب پر راضی ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور ایسے ہی دوسرے خلفاء عمرؓ بن الخطاب اور عثمانؓ بن عفان کے متعلق بھی ان کا یہی موقف تھا چنانچہ آپ نے دونوں کی بیعت کی اور اخلاص کے ساتھ ان کو مشورے اور رائے دیتے رہے۔

شیعیت دوسری صدی ہجری میں

دوسری صدی ہجری میں ابتداء سے شیعی فکر نے ایک فقہی مذہب کی شکل اختیار کرنا شروع کر دی جو اہل بیت کا مذہب تھا اس مذہب نے بھی اسی زمانے میں شہرت پائی جب کہ دوسرے بڑے اسلامی فقہی مذاہب کی تاسیس ہو رہی تھی جیسے (مالکی، شافعی، حنفی حنبلی) اور اہل بیت کا مکتب فکر شیعہ امامیہ کے چھٹے امام، امام صادق کے مدرسہ کی صورت میں رونما ہوا اہل بیت کے مذہب کو بھی یہی تصور تقویت دے رہا تھا کہ جب امام علیؓ دوسرے کی نسبت زیادہ حقدار ہیں تو ان کی اولاد اور اسی نسبت سے ان کے پوتے امام جعفر بن محمد صادق جن کا شمار اپنے زمانے کے بڑے فقہاء میں ہوتا تھا مسائل اور امور دین میں دوسرے فقہا کی نسبت اتباع کیے جانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس طرح جعفریہ کا فقہی مذہب امام جعفر صادق کے عہد میں وجود میں آیا جو کہ فقہ اور دیگر علوم کے بارے میں اس وقت مدینہ منورہ میں اپنے شاگردوں کو محاضرات اور دروس دیتے تھے۔ یہاں اس طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کے حق میں گروہ بندی کے رجحان نے حضرت امام حسینؓ کے قتل کے بعد بھیانک شکل اختیار کر لی اس حادثہ نے عالم اسلام میں سخت ردعمل پیدا کیا جس کا براہ راست نتیجہ پے در پے انقلابات کی صورت میں برآمد ہوا۔ دولت امویہ اور اس کے بعد آل مروان

(۱) شوریٰ: ۳۸

کی حکومت کا سقوط اور خلافت عباسیہ کا قیام بھی انہیں انقلابات کے اثرات ہیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور اہل بیت کی حمایت کے نام پر پے در پے انقلاب رونما ہوئے انہیں میں سے مختار ثقفی کی شورش، مصعب بن زبیر کی معرکہ آرائی، اور زید بن علی بن حسین کی محاذ آرائی ہے جو بالآخر اُن کی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر منتج ہوئی ایسے ہی وہ شورش جس کے نتائج سے بنو عباس نے فائدہ اٹھایا اور خلافت بنی امیہ کو مشرق اسلامی میں ہمیشہ کیلئے نابود کر دیا، وہ بھی اولادِ علیؓ اور اہلبیت الرسولؐ کی حمایت کے نام پر ہی اسکی دعوت دیتے تھے لیکن ایک مشہور واقعہ کی وجہ سے ان کا جھکاؤ عباسیوں کی طرف ہو گیا یہ واقعہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

ائمہ شیعہ عباسی خلفاء کے عہد میں مسلمانوں کے ہاں بڑی عزت و احترام سے بہرہ ور تھے ایسے ہی خلافت کے بارے میں ان کے زیادہ اور اولیں حقدار ہونے کا تصور بھی بہت سے لوگوں کے ہاں پایا جاتا تھا۔ سو اگر عام مسلمانوں کی رائے یہ نہ ہوتی کہ اہل بیت خلافت کے زیادہ حقدار ہیں تو مامون عباسی امام علی الرضا کو اپنا ولی عہد منتخب نہ کرتا یہ الگ بات ہے کہ علی الرضا مامون ہی کے زمانے میں وفات پا گئے اور خلافت بنو عباس ہی میں رہ گئی اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیؓ اور ان کے اہلِ بیت کی جماعت کا رجحان جو اس وقت کے اسلامی معاشرہ میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا رہا اس کے پُرجوش حامی موجود تھے۔ ان تمام مقدمات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تشیع کے افکار ہجرت کے بعد پہلی تین صدیوں میں موجود تھے اس دور کے شیعی افکار کا خلاصہ درج ذیل چند نقاط میں منحصر ہے۔

اولاً :- یہ کہ حضرت علیؓ اوروں کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار تھے لیکن مسلمانوں اور خود حضرت علیؓ نے خلفاء راشدین کی بیعت کر لی پھر حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی۔ سو حضرت ابوبکرؓ سے لیکر حضرت علیؓ تک تمام خلفاء راشدین کی خلافت کے شرعاً درست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

ثانیاً : امویوں کے لئے اظہارِ عداوت جو حضرت امیر معاویہؓ کے حضرت علیؓ کے بارے میں موقف، حادثۂ کربلا میں حضرت حسینؓ کے قتل، ازمامِ اقتدار خلیفۂ اموی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ آنے تک تقریباً پچاس برس تک اموی خلفاء کے برسرِ منبر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے کی وجہ سے تھا۔ خلیفۂ اموی عمر بن عبدالعزیز نے حضرت علیؓ کے خلاف زبان درازی سے منع کر دیا تھا۔

ثالثاً : شرعی احکام اور فقہی مسائل میں اہل بیت کو مرجع سمجھنا۔

رابعاً : اہل بیت عموماً اور حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے آئمہ کرام خصوصاً امویوں اور عباسیوں کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

شیعی فکر میں انحراف کی ابتداء

سن ۳۲۹ ہجری میں امام مہدی کی غیبت کبریٰ کے باقاعدہ اعلان کے بعد شیعی فکر میں چند عجیب و غریب امور در آئے جو شیعہ اور تشیع کے درمیان اختلاف کا آغاز ثابت ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں ان کو عہدِ انحراف کا آغاز بھی کہا جا سکتا ہے۔

فکری انحراف کے بارے میں ان امور میں سے اوّلین امر ان آراء کا ظہور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا اور یہ حق نصِ الٰہی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ چند کے علاوہ باقی صحابۂ رسول نے ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کرکے اس کی مخالفت کی جیسا کہ اس زمانے میں چند دیگر آراء کا ظہور ہوا جن کا منشاء یہ تھا کہ تکمیل اسلام کے لئے ایمان بالامامت ضروری ہے حتیٰ کہ بعض شیعہ علماء نے تین اصول دین، توحید، نبوت، اور معاد کے ساتھ امامت اور عدل کا اضافہ بھی کر دیا جب کہ بعض دوسرے علماء کا خیال تھا کہ یہ عقیدہ (امامت وعدل) اصول دین میں سے نہیں بلکہ اصول مذہب میں سے ہے اور کچھ ایسی روایات سامنے آئیں جنہیں ائمہ شیعہ سے نقل کیا جاتا ہے اور ان میں خلفاء راشدین اور بعض ازواج مطہرات پر طعن و تشنیع ہوتی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ غیبت کبریٰ کے بعد اچانک اسلامی معاشرے

یں جو چند عجیب و غریب آراء شہرت پذیر ہوئیں ان کا ہمیں حضرت علیؓ اور اہل بیت کے
حواریوں میں کہیں بھی پتہ نہیں چلتا ہے حتی کہ خلافت معاویہؓ بن ابی سفیان میں جب کہ وہ برسر
منبر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے کا حکم دیتے تھے، نیز قتل حسینؓ کے بعد جب اس کا انتقام لینے
کے لئے شورشیں ظاہر ہو رہی تھیں، ایسے ہی ان ادوار میں جب کہ شیعیت کی تند و تیز آندھی
خلافت امویہ کی کمر توڑ کر خلافت عباسیہ کے لئے راہ ہموار کر رہی تھی۔ ان آراء کی نشرواشاعت
اور انہیں سادہ لوح فرزندانِ شیعہ کی عقلوں میں راسخ کرنے میں شیعہ مذہب کے بعض علما (۱)
اور رواۃ نے اپنا کردار ادا کیا اور اس زمانہ میں تقیہ کا تصور عام ہوا جو شیعہ کو اس بات پر
آمادہ کرتا ہے کہ جو کچھ دل میں ہو اس کے برعکس ظاہر کریں۔ ان نو پید عقائد کو عام لوگوں میں
پھیلنے نیز سخت گیر حکمرانوں کی گرفت سے محفوظ کرنے کیلئے انہیں چھپائے رکھنا ضروری تھا۔
شیعہ رواۃ نے ان عجیب و غریب روایات کو عموماً ائمہ شیعہ اور خصوصاً امام باقر اور صادق
کی طرف منسوب کیا تاکہ ان نامانوس آراء کے لئے دینی بنیاد مہیا ہو جائے اور ان میں کسی قسم
کے شکوک و شبہات پیدا کرنے کا جواز باقی نہ رہے اور ان روایات کی صحت ثابت کرنے
ان کے مضامین پر غور کئے بغیر جوں کا توں قبول کرانے کے لئے اس زمانہ میں ائمہ شیعہ کی عصمت
کا نظریہ ظاہر ہوا تاکہ ان انوکھی روایات میں سے کچھ کو مزید تقدس مہیا ہو جائے اور وہ ہر قسم
کے بحث و جدل اور مناقشہ و اعتراض سے بالاتر قرار پائیں اور اس طرح انہیں ایک
مضبوط بنیاد مہیا ہو جائے۔ شیعہ مذہب کی ترتیب و تدوین کے ساتھ براہِ راست تعلق رکھنے
والی ان نامانوس اور خانہ ساز آراء میں سے ہر ایک کا ذکر ہم نے مستقل فصل میں کیا ہے۔
ان فصول میں ہم ان آراء کا تجزیہ کریں گے۔ اب ہم بحثِ خلافت و امامت کی طرف لوٹتے
ہیں تاکہ ان تبدیلیوں کا جائزہ لے سکیں جو شیعہ مذہب کے علماء و رواۃ نے غیبت کبریٰ کے
بعد کی ہیں۔

۱ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے دوران شیعہ علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں

ان میں شیعہ راویوں کے واسطے سے آنیوالی روایات میں انصاف کے ساتھ مسلسل غور کرنے والا شخص اس نہایت تکلیف دہ نتیجہ تک پہنچے گا کہ بعض شیعہ راویوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے جو جدوجہد کی ہے یقیناً وہ آسمان وزمین کے برابر بوجھل ہے۔ مجھے تو یہ خیال آتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصد روایات سے لوگوں کے دلوں میں شیعہ عقائد راسخ کرنا نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کا مقصد اسلام اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز کو بدنام کرنا تھا اور جب ہم ان روایات پر گہری نظر ڈالتے ہیں جو ان لوگوں نے ائمہ شیعہ سے روایت کیں اور ان جھوٹی پر جو خلافت کے موضوع پر اور تمام اصحاب رسول پر نکتہ چینی پر انہوں نے پھیلائیں اور عصر رسالت اور اسلامی معاشرے کو جو نبوت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا تھا تہ و بالا کرنے کیلئے پھیلائیں تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت خلافت کے زیادہ حق دار تھے اور یہ کہ وہ عظمت شان اور علو مرتبت کے حامل تھے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان راویوں نے — اللہ انہیں معاف کرے — حضرت امام علیؓ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر بدسلوکی کی ہے جو انہوں نے خلفاء اور صحابہ کے بارے میں روایات بیان کر کے کی ہے اور اس طرح ان کی ہر چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کی ابتدا اہل بیت سے ہوئی ہے اس طرح ابتداءً اہل بیت اور بالآخر صحابہ کرام سے متعلق کسی بھی چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کا اثر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کے عہد مبارک پر جا پڑتا ہے۔

اس مقام پر مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور میں حیرت میں گم ہو جاتا ہوں اور میرے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے، کیا ان شیعہ راویوں اور محدثین نے اہل بیت کی محبت کے پردے میں اسلام کی عمارت گرانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھالی ہے؟ ان روایات سے وہ کیا چاہتے ہیں؟ جو انہوں نے ائمہ شیعہ کی طرف منسوب کی ہیں جب کہ وہ اساطین اسلام اور فقہاء اہل بیت تھے۔ ائمہ کی طرف منسوب ان روایات سے کیا مقصود

ہے جب کہ وہ امام علی اور ائمہ اہل بیت کی سیرت کے منافی ہیں اور ان میں سے بہت سی روایات عقلِ رسا اور فطرتِ سلیم سے بھی متصادم ہیں۔

اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیعہ رواۃ و محدثین اور ان کے علاوہ فقہاءِ شیعہ ائمہ شیعہ کے بارے میں بدزبانی اور ان کے نام پر روایات وضع کرنے میں اس وقت بہت آگے نکل گئے جب رسمی طور پر امام کی غیبتِ کبریٰ کا اعلان کر دیا گیا۔ امام مہدی سے ان کا قول منقول ہے،

"من ادعیٰ رؤیتی بعد الیوم فکذبوہ"

آج کے بعد جو شخص مجھے دیکھنے کا دعویٰ کرے اسے جھوٹا قرار دو"(۱)

اس طرح وہ تمام راستے بند کر دیئے گئے جن کے ذریعے امام سے رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا اور اس کی طرف نیز اس کے آباؤ اجداد میں سے آئمہ کرام کی طرف منسوب روایات کے بارے میں پوچھا جا سکتا تھا۔ اس طرح تشیع اور اسلام دونوں کے بارے میں کسی بڑے وقت کا انتظار کرنے والوں کے لئے میدان خالی چھوڑ دیا گیا۔ انہوں نے لایعنی مباحث پیدا کئے اور فضول (؟) اور موشگافیوں میں پڑ گئے پھر ان کے قلموں نے جو کچھ ان کے جی میں آیا لکھا۔

میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مسئلے کی مزید وضاحت کرتا ہوں اور مسئلہ خلافت سے ابتداء کروں گا تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ شیعہ رُواۃ نے صحابہ کرام اور خلفاء کے حق میں جو کچھ روایت کیا ہے وہ امام علیؓ اور اہلِ بیتؓ کی سیرت سے واضح طور پر متصادم ہے اس کے بعد ہم اس کا بھی جائزہ لیں گے کہ ان رُواۃ اور بعض علماء شیعہ نے اپنی آراء کو زوردار بنانے اور امام علیؓ اور اہلِ بیتؓ کے صریح اور واضح موقف کو الٹنے کیلئے جو ان کی طرف منسوب روایات کے منافی ہے، ان کے بعد کس طرح تحریف کر کے امام موصوف اور اہلِ بیت کے موقف کے برعکس کر دیا اور ایسی پُر پیچ صورت میں جس کا ظاہر خوبصورت اور باطن گھناؤنا ہے۔

(۱) سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ج ۳ ص ۵۷۰ ہاشم الحسینی۔

مقصد صرف یہ تھا کہ اپنی آراء کو اپنے حسب منشاء ثابت کریں ۔

خلافت کے بارے میں حضرت امام علیؑ کا موقف

ہم تھوڑی دیر پہلے بتا چکے ہیں کہ ابتداء میں تشیّع کا معنی حضرت علی رضؓ اور اہلِ بیت کی محبت تھا اور یہ کہ وہ خلافت کے اوّلین حق دار ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد حق دار ہے اور میرا خیال ہے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس کو اس عقیدہ کے اسباب و دواعی کا علم نہ ہو کیوں کہ امام علیؑ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوش سنبھالا، وہیں پرورش پائی، وہ خود اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

> رسولِ اکرمؐ سے میری قریبی رشتہ داری، خصوصی مقام
> اور تعلق کو آپ جانتے ہیں، میں بچہ تھا تو آپ نے
> مجھے گود لیا، مجھے سینے سے لگاتے، اپنے بستر پر
> اپنے ساتھ لٹاتے، آپ کا بدن مبارک میرے جسم کو
> چھوتا، آپ کی خوشبو مجھے آتی، آپ خود کوئی چیز
> چباتے اور میرے منہ میں ڈالتے، آپ نے مجھے کبھی
> جھوٹ بولتے اور برائی کرتے نہیں پایا"[1]

امام علی رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اپنا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں :

> آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال غارِ حرا میں عبادت کیلئے
> گوشہ نشینی اختیار کرتے میں آپ کو دیکھتا تھا میرے
> سوا آپ کو کوئی نہیں دیکھتا تھا اس وقت ہمارے گھر

(۱) نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۱۵۷ -

کے علاوہ کہیں مسلمان نہ تھے جس میں رسول اللہ، ام خدیجۃ الکبریٰ اور تیسرا شخص میں تھا۔ میں وحی و رسالت کے نور سے آنکھیں روشن کرتا، نسیم نبوت سے لطف اندوز ہوتا، جب وحی نازل ہوئی تو میں نے چیخ سنی۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! یہ چیخ کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا یہ شیطان ہے اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے جو میں سنتا ہوں تو بھی سنتا ہے، جو میں دیکھتا ہوں تو بھی دیکھتا ہے، مگر تو نبی نہیں ہے البتہ تو وزیر ہے، تو بھلائی پر ہے۔

آیئے ایک مرتبہ پھر امام موصوف کا ارشاد سنتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا آپ کی جان میرے ہاتھوں میں نکلی، میں نے وہی ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے، آپ کے غسل کی ذمہ داری بھی مجھے ہی سونپی گئی اور فرشتے میرے معاون تھے، گھر اور صحن میں ایک شور برپا تھا، ایک گروہ اتر رہا تھا اور ایک گروہ چڑھ رہا تھا ابھی تک میرے کانوں میں وہ آواز گونج رہی ہے کہ فرشتے آپ کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں تا آنکہ ہم نے آپ کے جسد پاک کو آپ کی آرامگاہ میں دفن کر دیا، زندگی میں یا موت کے بعد مجھ سے زیادہ آپ کا حق دار کون ہے؟ اب تم اس

کی روشنی میں علی وجہ البصیرت فیصلہ کرلو۔[1]

ایسے ہی ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنی ذات کے بارے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اپنے مقام و مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے عثمان بن حنیف جو ان کی طرف سے والیٔ بصرہ تھے کے نام ایک خط میں فرمایا:

"أنا من رسول اللہ کالصنو من الصنو والذراع من العضد"

میرا رسول اللہ سے وہی تعلق ہے جو ایک ہی جڑ سے پھوٹنے والی شاخوں کا آپس میں، اور کلائی کا بازو سے ہوتا ہے۔

مزید بر آں امام موصوف فاطمۃ الزہراؓ کے شوہر نامدار، حسنین کے ابا اور مسلمانوں کے بطل جلیل ہیں۔ بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ہی آپ نے اپنے خون پسینے سے اسلام کی خدمت کی اور دل و زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رسالت محمدیہ کا دفاع کیا، اور آپ کا شمار اسلام کے اولین داعیوں میں ہوتا ہے۔ مشیت ایزدی سے آپ کی شہادت بھی وہیں ہوئی جہاں آپ کی ولادت ہوئی تھی آپ بیت اللہ میں پیدا ہوئے اور مسجد میں شہادت پائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے جہاد کی روشن تصویر اور اسلام میں ان کی قدر و منزلت مکمل طور پر تب واضح ہو گی جب ہم اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی روایت کردہ متواتر احادیث میں مذکور اس محبت سے واقف ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ سے تھی اور یقینی علم سے بہرہ ور ہوں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ

(۱) نہج البلاغہ: ج ۲، ص ۱۷۲۔

کا نکاح اُن سے آسمانی حکم کے مطابق کیا اور دوسرے حضرات سے جنہوں نے یہ رشتہ طلب کیا فرمایا:

إِنَّمَا أُنْتَظِرُ فِيهَا الْقَضَاءَ

مجھے اس کے متعلق آسمانی فیصلے کا انتظار ہے۔

جب آسمانی حکم نازل ہوا تو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا مبارک عقد عمل میں آیا۔ اور غزوۂ خندق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے متعلق ایسے جملے ارشاد فرمائے جو تنہا ان کے فضائل میں وارد جملہ احادیث کے مساوی ہیں حقیقت یہ ہے کہ جاوداں و نور افشاں کلمات کا ایک ایک حرف تمغہ کی حیثیت رکھتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے سینہ پر سجایا، بلاشبہ وہ ایسا تمغہ ہے کہ جس نے جہاد، اخلاص، فدائیت اور ایمان کو انسانی اور خصوصاً عظیم لوگوں کی تاریخ میں ابدی و سرمدی مقام سے سرفراز کر دیا ہے۔

یہ دو جملے جو زبانِ نبوت سے تقریباً گھنٹہ بھر یا اس سے تھوڑے سے زیادہ وقت میں جاری ہوئے جب کہ حضرت علیؓ مشرکین کے جنگی ہیرو اور دشمن اسلام عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکلے جو اکیلا کئی کئی آدمیوں بلکہ گروہوں سے مقابلہ کیا کرتا تھا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

اللّٰهم برز الاسلام كله إلى الشرك كله

اے اللہ! پورا اسلام پورے شرک کے مقابل اترا ہے۔

اور حضرت علیؓ کی تلوار کے وار سے عمرو بن عبدود لاشہ بن کر گرا تو فرمایا:

ضربة علي يوم الخندق أفضل من عبادة الثقلين (۱)

خندق کے روز علیؓ کی شمشیر زنی جن وانس کی عبادت سے بھاری ہے

(۱) مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۲

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے والا اس حتمی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے درمیان تعلقات، عام رشتہ داروں کے تعلقات سے کہیں زیادہ قوی تھے یہ ایسے مربوط و مضبوط روحانی تعلقات تھے کہ ان کی جڑیں آسمان پر اور شاخیں نبی اکرمؐ اور ان کے عم زاد حضرت علیؓ کے دلوں میں تھیں، اس لئے جب ہم حضرت علیؓ میں نبی اکرمؐ کی سیرت کا پرتو پاتے ہیں تو کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے جب انہوں نے رسالت پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

واللہ لو وضعتم الشمس عن یمینی
والقمر عن یساری لاترکُ ھذا العمل
ما فعلت۔

اللہ کی قسم اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں
ہاتھ پر چاند رکھ دو کہ میں اس کام سے باز آجاؤں،
میں پھر بھی نہ رکوں گا۔

اسی طرح علیؓ کو دیکھئے انہوں نے اللہ پر اپنے ایمان کا دفاع کرتے ہوئے کہا:

فو اللہ لو أعطیت الأقالیم السبعۃ
وما تحت أفلاکھا أن أعصی اللہ فی
نملۃ أسلبھا جلب شعیرۃ ما فعلتُ

اللہ کی قسم اگر مجھے ساتوں آسمانوں کی حکومت دیدی
جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کی صرف اس قدر نافرمانی کردوں
کہ چیونٹی کے منہ سے جو کا دانہ چھین لوں میں ہرگز ایسا
کرنے پر تیار نہیں ہوں۔

مذکورہ بالا فضائل و روایات کی بناء پر حضرت علیؓ کا خود کو دوسروں کے بالمقابل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننے کا اولین حقدار سمجھنا طبعی امر ہوگا یہ بھی طبعی امر ہوگا کہ ایک فرقہ یہ اعتقاد رکھے اور اس کے لئے جوش و جذبہ کا مظاہرہ کرے اور اس اندازِ فکر کے حامی و مددگار بھی موجود ہوں، جیسے یہ بھی طبعی امر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی رجحانات اور زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات سے ہم حضرت علیؓ کو آپ کی وفات کے بعد خلیفہ بنانے کی خواہش کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

امام علیؓ خلفاء کی بیعت کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں

لیکن کیا اس سب کچھ کا یہ مطلب ہے (اور یہی بات خلافت کے متعلقات اور اس مسئلہ کے تمام فروعات میں بنیادی پتھر اور مقطع کی حیثیت رکھتی ہے) کہ اس مسئلہ میں کوئی آسمانی حکم موجود ہے جو حضرت علیؓ کی بطور خلیفہ تعیین کرتا ہو یا یہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خواہش تھی؟ حضرت علیؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ میں کوئی واضح آسمانی نص موجود نہیں ہے۔ ان کے ساتھی اور ان کے معاصرین کا بھی یہی عقیدہ تھا غیبت کبریٰ کے زمانہ تک یہی اعتقاد قائم رہا، یہی وہ زمانہ ہے جس میں شیعہ کے عقائد میں ردّ و بدل شروع ہوا اور ان کو بالکل الٹ کر رکھ دیا گیا۔

ہم ایک بار پھر کہتے ہیں کہ ان دو الگ الگ عقیدوں میں بڑا فرق ہے

۱۔ حضرت علیؓ خلافتِ رسولؐ کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق رکھتے تھے لیکن مسلمانوں نے کسی دوسرے کو منتخب کر لیا۔ ۲۔ خلافت حضرت علیؓ کا آسمانی حق تھا لیکن ان سے چھین لی گئی۔

آیئے حضرت علیؓ کی زبانی سنیں، وہ پوری وضاحت اور کامل صراحت سے اس مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں اور خلفاء کے انتخاب کے شرعی ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ خلافت کے مسئلہ میں نص موجود نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

بلاشبہ جن لوگوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی تھی انہی لوگوں نے میری بیعت کی ہے اور اسی شرط پر کی ہے جس پر ان کی بیعت کی تھی اس لئے کسی حاضر کو تردد کا اور کسی غائب کو انکار کا حق نہیں ہے۔ اور بلاشبہ مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے اگر یہ حضرات کسی پر اتفاق کرلیں اور اسے امام بنادیں تو یہ اللہ کی رضا کی دلیل ہوگی اور اگر کوئی شخص ان پر طعنہ زنی کرے اور نیا راستہ اختیار کرتے ہوئے ان کے احکامات سے روگردانی کرے تو ان کا حق ہے کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑنے کے سبب اس سے جنگ کریں۔(۱)

قبل اس کے کہ میں حضرت علیؓ کے اپنے پیش رو خلفاء کے متعلق موقف کے بارے میں گفتگو کروں اور اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالوں اور حضرت علیؓ کے دیگر اقوال سے شواہد پیش کروں جو حقیقت کے بے نقاب کرنے اور اصل واقعہ پر روشنی ڈالنے میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، یہ ضروری ہے کہ نبی اکرمؐ کی شخصیت کے دو پہلوؤں میں فرق واضح کردیا جائے۔

(۱) ذاتی خواہشات۔

(۲) آسمانی پہلو، جس کے متعلق آپ اللہ کے حکم اور وحی کی بنیاد پر دوٹوک بات کرتے تھے۔

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۳، ص ۷

احکامِ الٰہی اور نبی کی ذاتی خواہشات میں فرق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ان دو مختلف پہلوؤں میں فرق سمجھ لینے کا ان دونوں حیثیتوں کے واضح تصور تک ذہن کی رسائی میں بڑا حصہ ہے جب ہم یہ جان لیں کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان اقوال و اعمال میں جو حکم خداوندی سے ہوتے اور ان اقوال و اعمال میں جو ان سے ذاتی حیثیت میں صادر ہوتے اور ان کا آسمان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا پوری کوشش سے فرق سمجھاتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی ذاتِ گرامی کی عظمت حقیقی طور پر جان سکیں گے، چنانچہ جب قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان واضح آیات میں گفتگو کرتا ہے ؛

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ
يُّوْحٰى ۝
عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔
یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے،
ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا ہے۔

تو کوئی شک نہیں کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں تک آیات الٰہیہ اور ان پر نازل شدہ احکام ان تک پہنچاتے ہیں تو آپ کا یہ کلام محض وحی پر مبنی ہوتا ہے اور آپ اللہ کا کلام سناتے ہیں جو آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا تھا۔ اسلام اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل شدہ قرآن پر ایمان کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے۔

قرآن نے تو حکمِ الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی پسند و خواہش کے درمیان بنیادی فرق بیان کرنے کے لئے ان آیات میں کہ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) النجم : ۳، ۴، ۵۔

کو کسی امر پر تنبیہ کی گئی یا ایسے امور جن سے منع کیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے تھے اس مقام کو انتہائی واضح اور دو ٹوک انداز میں پیش کیا ہے آیئے ان آیات بینات کی تلاوت کریں۔

(۱) یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "(۱)

"اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا"

(۲) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ (۲)

اور جب اللہ کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو

(۳) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰى (۳)

ہم تمہیں پڑھائیں گے اور تم فراموش نہ کرو گے مگر جو اللہ چاہے وہ کھلی بات کو بھی جانتا ہے اور چھپی کو بھی

(۴) وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ (۴)

(جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں ان کی وجہ سے غمگین نہ ہونا۔

(۱) المائدہ : ۶۷ (۲) الکہف ۲۴ (۳) الاعلیٰ ۶، ۷ (۴) آل عمران ۱۷۶

(۵) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۱)

اور ان کے حال پر تأسف نہ کرنا اور مؤمنوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا

(۶) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔ (۲)

پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کرکے) زمین میں کثرت سے خون نہ بہا دے۔

(۷) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ (۳)

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے پیشتر اس کے کہ تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جائیں جو سچے ہیں اور وہ بھی تمہیں معلوم ہو جائیں جو جھوٹے ہیں ان کو اجازت کیوں دی۔

(۸) مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ۔ (۴)

(۱) الحجر: ۸۸ (۲) الانفال: ۶۷ (۳) التوبہ: ۴۳ (۴) التوبہ: ۱۱۳

پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر
ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لئے
بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔

(۹) وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
أَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ
وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ
وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ؕ
(۱)

اور جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا
اور تم نے بھی احسان کیا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو
اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے
دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر
کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ
اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔

(۱۰) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ
لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ (۲)

اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم
اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی
بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۱) الاحزاب ۳۷ (۲) التحریم ۱:

(۱۱) عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ۝ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ ۝ وَمَا يُدْرِيكَ
لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ
الذِّكْرَىٰ ۝ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ۝ فَأَنْتَ
لَهُ تَصَدَّىٰ ۝ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ۝
وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۝ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝
فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۝ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝
(۱)

(محمد مصطفیٰؐ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ
ان کے پاس ایک نابینا آیا اور تم کو کیا خبر شاید وہ
پاکیزگی حاصل کرتا یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔
جو پرواہ نہیں کرتا اس کی طرف تم توجہ کرتے ہو،
حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کچھ (الزام) نہیں،
اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور (خدا سے) ڈرتا
ہے اس سے تم بے رخی کرتے ہو۔ دیکھو یہ (قرآن)
نصیحت ہے۔

(۱۲) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ
إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (۲)

کہہ دو میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف
وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے

(۱۳) إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۝ (۳)

اے پیغمبر تم بھی فوت ہو جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔

(۱) عبس ۱:۱-۱۱ (۲) الکہف ۱۱۰ (۳) الزمر ۳۰

ان آیات بینات میں تدبر کرنے والا علم الیقین کی حد تک جان لے گا کہ قرآن حکیم قطعی انداز میں تاکید کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے یا آسمانی مخلوق نہ تھے یا اس کائنات کے دائرے اور اس کے تقاضوں سے ماوراء نہیں تھے وہ عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، بیمار ہوتے، صحتیاب ہوتے، پسند وناپسند کرتے، نکاح کرتے، آپؐ کے بچے پیدا ہوئے جیسا کہ کائنات کا دستور ہے تو جس قسم کے طبعی اثرات افراد نوع انسانی پر ہوتے ہیں یہ امر بہت واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس پہلو کو زور دار انداز میں صرف اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں پر واضح اور ثابت ہو جائے کہ آپؐ سے کسی فعل یا قول کے صادر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ وحی، کلام الٰہی، یا حکم آسمانی ہے۔

البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا وہ پہلو جس کا تعلق رسول ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ سے ہے تو اس کی تاکید تو بذاتِ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا کرتے تھے چنانچہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ کاتبین وحی کو بلاتے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو مدون کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا مطالعہ کرنے والے پر واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری محنت سے کوشش فرماتے تھے کہ آپ کی شخصیت کا آسمانی پہلو اور زمینی پہلو الگ الگ رہیں اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی جرأت، رسالت میں صداقت، رب کریم کے لئے اخلاص اور آپ کی شخصیت کی عظمت کے لئے عظیم دلائل میں سے ہے اور یہ ایسے خصائل ہیں کہ جن میں کرہ ارض کے عظیم انسانوں میں سے کوئی عظیم انسان حتیٰ کہ رسولوں میں سے کوئی رسول بھی آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وہ عظیم اور واضح کردار جو آپ ادا کر رہے تھے تاکہ اس سیرت طیبہ کا نمونہ پیش کرسکیں جو آپ کو آپ کے پروردگار کی طرف سے بطور خاص عنایت کی گئی تھی۔

سو آپ بشر تھے، کھانا کھاتے، بازار میں چلتے پھرتے، لیکن آپ بایں ہمہ بشیر ونذیر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے پیغامبر بنا کر مبعوث فرمایا،

پس جب وہ آیات اتریں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب کیا ہوتا تو آپ کامل طور پر قوی وامین کی حیثیت سے لوگوں پر پڑھتے اور جب وہ آیات نازل ہوتیں جن میں آپ کی مدح کی گئی ہوتی تو بھی تابع فرمان بندے بن کر رہتے چنانچہ آپ نے مسلمانوں پر آیات عتاب تلاوت کرتے ہوئے اپنی ذات کی تنقیص محسوس نہیں کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے قلب اطہر پر نازل ہونے والی ان آیات کی تلاوت کے وقت کسی نخوت وتکبر کا اظہار نہیں کیا جن میں آپ کی ثنا کی گئی ہے۔

اس طرح عتاب وتنبیہ کی آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوت عطا کرتیں جو مدح وثنا کی آیات کی قوت سے کم نہ ہوتی اور اس میں تعجب کی کوئی وجہ نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے عطایات سے نوازا گیا جو آن سے پہلے اولوالعزم رسولوں پر بھی نازل نہیں کئے گئے۔

"وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ"(۱)

اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم کردار نے اپنی آسمانی اور زمینی حیثیت میں فرق کرتے ہوئے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ آپ اس حد تک پہنچے جہاں کوئی انسان زیادہ سے زیادہ تصور کرسکتا ہے چنانچہ جب آپ سے ملاقات کے وقت ایک بدوی پر ہیبت طاری ہو گئی تو آپ نے فرمایا

هوّن عليك إنما أنا ابن امرأة تأكل القديد۔

---

(۱) القلم : ۴ ۔

خاطر جمع رکھو میں تو اس عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔

(نفی ذات میں) یہ روحانی عظمت آفاقِ ارض و سمائے اس وقت گزرتی اور عظیم ترین مظہر میں اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب سورج کو اس دن گرہن لگا جس دن آپ کے فرزند ابراہیم نے وفات پائی اور لوگوں نے کہا کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سبب سورج بھی گہنا گیا ہے۔ آپ نے لوگوں کی یہ بات سُنی تو منبر پر چڑھے۔ مسلمانوں سے بایں الفاظ خطاب فرمایا:

اِن الشمس و القمر آیتان من
آیات اللّٰہ لا تنکسفان لموت اُحد
و اِنما مات اِبراھیم بقضاءٍ
و قدر من اللّٰہ۔

سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے
نشانیاں ہیں کسی کے مرنے کے سبب انہیں گرہن
نہیں لگتا اور ابراہیم تو صرف اللہ کی قضاء و
قدر سے فوت ہوا۔

اور اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقدیس کے مظاہر کو اپنی ذات سے دور رکھتے تھے اور اپنے گرد ایسا ہالہ نہ بننے دیتے تاکہ اپنے پروردگار کے سامنے اپنی عبدیت کا ثبوت دیں اور یہ کہ آپ ایک بشر ہیں اور خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي ضَرًّا وَلَا نَفۡعًا
إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۗ (۱)

(۱) یونس: ۴۹

کہہ دو کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی اختیار
نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبودیت کے اظہار اور عبادت میں اس حد تک بڑھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی :

طٰہٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی (۱)

طٰہٰ (اے محمدؐ) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں
کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

عہدِ رسولؐ میں حریّتِ فکر اور اجتماعیت

سیرتِ نبوی کی تکمیل کرنے والا ایک پہلو ایک دوسری چیز میں بھی دمک رہا ہے اور وہ آزادئ فکر اور اجتماعیت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب اور مسلمانوں کو عطا فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان عہدِ نبوی اور اس کی ان فکری اور اجتماعی آزادیوں کا مطالعہ کرتا ہے جو آپ نے اپنے اصحاب اور مسلمانوں کو عطا کی تھیں تو اُس کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے سامنے ممنونیت اور احترام سے جھک جاتا ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تکمیل کو پہنچتا ہے جس پر آپ محمدؐ رسول اللہ اور محمدؐ بن عبد اللہ کی شخصیتوں میں فرق کرنے کے لئے کاربند تھے۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اور اہلِ تحقیق عہدِ رسالت کا جائزہ لیتے اور آپ کی اجتماعی سیاست کے اس پہلو کا تجزیہ کرتے تو ان کے لئے عہدِ رسالت اور آپ کی وفات کے بعد کی تاریخ کے بہت سے پیچیدہ مقامات کو سمجھنا آسان ہو جاتا اور مسلمانوں کے درمیان بہت سے فکری و مذہبی اختلافات بھی ختم ہو جاتے جو کبھی خونریزی

(۱) طٰہٰ ۱ — ۲

اور کبھی سب وشتم اور بُرے ناموں کے تبادلے پر منتج ہوتے رہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے زمانہ ظہور و اشاعت، یہاں تک کہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری روز تک اپنے صحابہ اور عامۃ المسلمین کو ایسی فکری و مذہبی اور اجتماعی آزادی اور مساوات مرحمت فرمائی تھی جو ہم کسی دوسرے زمانہ اور کسی دوسری امت حتیٰ کہ عہدِ حاضر میں آزادی اور جمہوریت میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھی جانے والی اقوام میں بھی نہیں دیکھتے اور میں نہیں سمجھتا کہ جمہوریت و مساوات کی قدیم و جدید تاریخ میں کوئی ایسی مثال بھی ملے گی کہ کسی قوم کا سردار، امت کا بانی اور فکری قائد اپنے اصحاب کے ساتھ ایک دائرہ کی شکل میں اس طرح بیٹھ جائے کہ اس کی نشست کے آگے پیچھے کوئی حاشیہ نشین نہ ہو اور اس مجلس میں ہر فرد نشست میں رسول اللہ کے برابر ہو یہاں تک کہ کوئی اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتا تو آپؐ کو اصحابِ کرام میں سے پہچان بھی نہ سکتا اور اسے پوچھنا پڑتا کہ تم میں محمدؐ کون ہیں اور صحابہ آپؐ کی طرف اشارہ کرتے۔ اس عہد کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ عصرِ حاضر میں بادشاہوں اور سربراہوں کے اجتماعات میں گول میز کانفرنس کا نظریہ جمہوری پروٹوکول والوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے لیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی سے مصافحہ کرتے تو ازراہِ کرم اس کے ہاتھ کو تھامے رکھتے تاوقتیکہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا اور جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ، آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھا لیتے، عام آدمی کی طرح بیٹھتے، اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے، اپنے کپڑے پر پیوند لگا لیتے، بغیر زین کے گدھے پر سواری کر لیتے اور اپنے ساتھ بھی کسی کو بٹھا لیتے اور شاید اس جمہوریت و آزادی کی روشن ترین تصویر وہ ہے کہ جب بعض افراد اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے

اور قائد ربانی کے ادب کے دائرے سے باہر قدم رکھنے لگتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے صبر و حلم کے ساتھ مسکراتے ہوئے برداشت کر لیتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مسلمانوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے آیات نازل فرمائیں لیکن قرآنی آیات نے اس پر بھی لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میل جول سے بالکل ہی منع نہیں کر دیا بلکہ انہیں صرف ملامت کی اور ان کی آداب زیارت سے لاعلمی کا ذکر کیا۔ حدود احترام سے باہر قدم رکھنے والوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ آیئے مل کر یہ آیات پڑھیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۱)

(۱) الحجرات ۱ تا ۵

مومنو! (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اس کے رسول سے پہلے
نہ بول اٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سنتا، جانتا ہے،
اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو جس طرح آپس میں
ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے
نہ بولا کرو، (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی
نہ ہو جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے
ان کے دل تقویٰ کے لئے آزما لئے ہیں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم
ہے۔ جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں
اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل
کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔ اور اللہ تو بخشنے
والا مہربان ہے۔"

(۲) يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ
فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً
ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا
فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (۱)

مومنو! جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات
کہو تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) کچھ
خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لئے بہت بہتر
اور پاکیزگی کی بات ہے اگر خیرات تم کو میسر
نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۱) المجادلۃ: ۱۲

میرا خیال ہے کہ اس فصل میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آیا اور آپ کی زوجہ محترمہ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست متعلق تھا اور وہ تھا واقعۂ افک۔

واقعۂ افک کا بغور مطالعہ کرنے والے کے سامنے تعبیر اور اظہار رائے میں اس آزادی کی کامل تصویر واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے جس سے اس وقت کے مسلمان بہرہ ور تھے۔ اس زمانے کی تاریخ کا جو شخص بھی مطالعہ کرتا ہے علم الیقین کی حد تک جان جاتا ہے کہ "افک" کی افواہ جب مدینہ میں پھیلی اور لوگوں کی مجلسوں کا موضوع بن گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں بھی وہ افسوس ناک باتیں پہنچتی تھیں، لیکن آپ سے کوئی ایسا قول یا حکم صادر نہیں ہوا جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اپنے اصحاب یا اہل مدینہ پر ناراض ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اتہام کے جھوٹا ہونے کا یقین تھا جو اُم المؤمنین اور آپ کی اُس زوجۂ محترمہ پر لگایا گیا تھا جو حضرت خدیجہؓ کے بعد آپ کو سب سے بڑھ کر عزیز تھیں اور جو آپ کے غار کے مصاحب اور سب سے قریبی ساتھی کی بیٹی تھیں، لیکن آپ نے اس مسئلہ میں اپنی قائدانہ حیثیت وصلاحیت کو استعمال کرنا پسند نہ فرمایا اور نہ یہ پسند فرمایا کہ لوگوں کے اظہار رائے پر قدغن لگا دیں۔ تاریخ میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اس مسئلہ میں گفتگو سے باز رہنے کو کہا ہو یا اس قسم کی گفتگو پر اعتراض کیا ہو یا آپ نے ایسا رویہ اپنایا ہو جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اس قسم کی سرگوشیوں اور علانیہ گفتگو پر ناراض ہیں یا آپ نے اُن لوگوں کے خلاف تفتیش کا حکم دیا ہو جن پر افواہ پھیلانے کا شبہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن یہودیوں کے گروہ، منافقین اور ان لوگوں کی شکل میں موجود تھے جو آپ اور آپ کے گردوپیش افراد کی ٹوہ میں رہتے تھے۔ آپ نے ان دشمنوں کی موجودگی کو بھی اہل مدینہ کو ایسی باتوں سے روکنے کا ذریعہ نہیں بنایا کہ وہ اس معاملہ میں رعایت برتیں

اور زخموں پر نمک پاشی نہ کریں بلکہ سب کے برعکس واقعۂ افک میں پورے صبر سے کام لیا حتی کہ علی بن ابی طالبؓ زید بن حارثہؓ اور دیگر چند صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس معاملہ کو کس طرح نپٹانا چاہیے لیکن یہ مشورہ اتہام تراشنے والوں کے متعلق نہیں تھا بلکہ اُم المؤمنین کے متعلق تھا۔

اور باوجودیکہ حضرت عائشہؓ ان کے والدؓ اور ان کے خاندان کے لئے یہ مصیبت شدید تھی، وہ بیمار پڑ گئیں کمزور ہوئیں اور صاحبِ فراش ہو گئیں، اجتماعی اور مجلسی شوشوں سے ان کا دل ان باتوں کے تصور ہی سے خون خون ہو جاتا تھا جو افواہ ساز اڑا رہے تھے لیکن یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجتماعی آزادیوں پر پابندی لگانے یا لوگوں کو خاموش رہنے اور ان باتوں میں دخل نہ دینے کی تلقین کا باعث نہ بنا جو اہلِ مدینہ کی مجلسوں میں گردش کر رہی تھیں۔

اس مقام پر مشیت الٰہی اور حکمت بالغہ کا ظہور ہوا اور اس نے عزت مجروح کرنے والوں اور ان تہمتوں پر جو لوگ ایک دوسرے پر بن دلیل اور شہادت وثبوت کے لگاتے تھے آسمانی پابندی لگا دی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر یہ آیات نازل فرمائیں:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱﴾

(۱) النور ۱۰

جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک
جماعت ہے اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا بلکہ وہ
تمہارے لئے اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ
کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا وبال ہے اور جس نے
ان میں سے بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو
بڑا عذاب ہوگا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی کے دامن کو الزامات سے بری قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسی گفتگو کی آزادی پر پابندی لگا دی جس سے کسی کی عزت مجروح ہوتی ہو اور اس کی توہین ہوتی ہو۔

یہاں پر ہم جو نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں وہ اس واقعہ سے بھی اہم ہے وہ یہ ہے کہ آیا ایک ایسا معاشرہ جو آزادی رائے اور گفتگو (صحیح ہو یا غلط) میں اس حد کو چھونے لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی بھی پرواہ نہیں کرتا جس نے انہیں گمراہی و ہلاکت سے نجات دلائی اور ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف رہنمائی فرمائی یہاں تک کہ اس معاشرہ میں لوگوں کے حقوق کے متعلق آداب سکھانے کے لئے آیات اتریں کیا نبی کے لئے ممکن تھا کہ وہ اس قسم کے معاشرہ کو کسی ایسے کام پر لگا دیتے جسے وہ ناپسند کرتا ہو سوائے اس کے کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ کی جانب سے ہو اور اس کی کتاب اللہ میں تصریح موجود ہو۔ تب تو تمام فکری آزادیاں احکام الٰہی کے سامنے ہوا ہو جاتیں اور ہر فرد اور پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے سامنے ایسے تابع فرمان اور اطاعت گزار بندے بن کر رہتے کہ کسی کو آپ کے اوامر بجالانے اور منہیات سے دست کش ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ مسلمانوں میں سے ایک ایسا معاشرہ

تشکیل دیتے جو آپ کے شخصی ارادے کی تکمیل کرتا اور آپ جب بھی اس کے مطابق حکم دیتے اس سے انحراف نہ کرتا لیکن اس طرح کا حکم آپ کے پیغام کے منافی ہوتا جو آپ کی تشریف آوری کا مقصد تھا اور وہ تھا اللہ وحدہٗ کی بندگی کے سوا تمام عبادات اور اس کے متعلق رسوم ورواج کا خاتمہ کرنا اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کے آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جاہلی رسوم وافکار کو ختم کر دیا تھا جن کے اہم ترین مظاہر میں سے آدمی کا آدمی کو پوجنا اور انسان کا اپنے جیسے انسان کی اطاعت کرنا تھا اس طرح اسلام نے لوگوں کو ذہنی اور جسمانی غلامی کے اندھیرے سے روشنی اور آزادی کی طرف نکالا اسی لئے تو تشکیل اسلامی معاشرہ اس نئے دین میں حیات اور عزت انسانی کا پورا سامان دیکھتا تھا۔

یہی آسمانی پیغام تھا جس نے اس طبقاتی معاشرہ کو جو بندہ و مولیٰ پر مبنی تھا ایسا معاشرہ بنا دیا جس میں اللہ کے حضور تمام انسان برابر تھے، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ ماسوائے فضیلتِ تقویٰ کے :

(۱)
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

اور اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا

وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے

بتوں اور مختلف معبودوں کی عبادت سے نکلنے، قریشی سرداروں کے تسلط سے خلاصی پانے اور اکیلے ایک اللہ کی عبادت میں داخل ہونے کے منجملہ نتائج میں سے وہ آزادی بھی تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر انعام فرمائی تھی اور جس کی بدولت جدید اسلامی معاشرہ حریت فکر اور آزادی اظہار سے بہرہ مند ہوا تا وقتیکہ وہ اس آزادی سے فائدہ اٹھا کر ایسے افعال کے مرتکب نہ ہوں جو غضبِ الٰہی اور اللہ کی ناراضی کا موجب بنیں اور جب اسلامی معاشرہ نے ان حدود سے تجاوز کرنا چاہا جو آزادیٔ اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی تھیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اس

سے منع نہیں کیا کہ مبادا ان کے اذہان میں قوم کے اکابر اور سادات کے لئے کامل طاعت کا تصور دوبارہ ابھر آئے اس کی بجائے آپ نے آسمانی حکم اور وحی کے نازل ہونے کا انتظار کیا اور امر الٰہی نے آکر مسلمانوں پر اخلاق فاضلہ کی پابندی لازم کر دی اور بے حیائی کی اشاعت نہ کرنے کا حکم دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ
فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (۱)

اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں
بے حیائی (یعنی تہمت و بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو
دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

جیسا کہ انہیں حکم دیا کہ مسلمانوں کی عزت و حرمت کا پاس کریں اور عزت مجروح کرنے والے کلام اور تکلیف دہ سب وشتم سے باز رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ
عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ
نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا
أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ
الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ
يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ
إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا

(۱) النور ۱۸

يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (۱)

"مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے اہلِ ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کروگے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خمت پوری شان تقدیس وجلال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے کہ وہ اپنی اُمت اور معاشرہ کے لئے وہی چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اور اب میں خلافت کے موضوع کی طرف پلٹتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جب

(۱) الحجرات، ۱۱ - ۱۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتان طراز گروہ کی جانب سے لگائے گئے اندوہناک ترین الزام سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی زوجۂ محترمہ اس الزام سے کامل طور پر بری ہیں ان کا دفاع خود نہیں کیا کہ مبادا یہ لوگوں کے زمانۂ جاہلیت کی روایات اور سربرآوردہ سرداروں کی بے قاعدہ اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لوٹ جانے کا سبب بن جائے تو یہ امر معقول نہیں ہے کہ امت کو ایسے خلیفہ کو پسند کرنے پر مجبور کر لیا جو انہیں بذاتِ خود پسند ہے جب کہ اس سلسلہ میں حکمِ الٰہی موجود نہ تھا۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر رغبت رکھتے بھی تھے کہ علیؓ ہی ان کے بعد خلیفہ ہوں جیسا کہ فریقین کی صحیح اسانید کے ساتھ مروی احادیث سے معلوم ہوتا ہے تو بھی آپ نے امت کو انہیں اوّلین خلیفہ کے طور پر قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا بالکل اس طرح جیسے کہ انہوں نے اپنی عزیز ترین زوجہ پر بہتان طرازی کے سلسلہ میں لوگوں کو باز رہنے کا حکم نہیں دیا اسی طرح جب لوگ اپنی آوازیں آپ کی آواز سے بلند کرتے اور آپ کی موجودگی میں آپس میں سرگوشیاں کرتے تو آپ نے از خود لوگوں پر واجب نہیں کر دیا کہ ان سے اس طریقہ سے پیش نہ آئیں جو حضور کی مجلس کے شایان نہ ہوتا تا آنکہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں لوگوں کو نبیؐ کے آداب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا جس نے لوگوں کو ایسی کھلی آزادی دے دی تھی کہ بعض لوگوں نے اسے نامناسب اور غیر موزوں انداز میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک بار پھر ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک اور اس عہد پر گہری نگاہ ڈالیں جس سے نوتشکیل یافتہ اسلامی معاشرہ اس حد تک بہرہ مند تھا کہ سب حدیں تجاوز کر گیا اور ایسے خطرناک مرحلہ پہ پہنچ گیا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک کر دیا کیونکہ یہ میدانِ جنگ میں قائدِ الٰہی کی اطاعت کے متعلق ان روایات کی خلاف ورزی تھی جنہیں ہمیشہ مدنظر رکھا جاتا تھا اور ان کی پابندی کی جاتی تھی۔

تمام اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت

میں مبتلا ہوئے۔ اسامہ بن زید بن حارثہ کو بلایا اور فرمایا:

اپنے باپ کی شہادت گاہ کیطرف جاؤ اور دشمنوں
کو گھوڑے تلے روند ڈالو میں تمہیں اس لشکر کا قائد
بناتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں فتح سے ہمکنار کرے تو
قیام مختصر کرنا، اپنے جاسوس پھیلا دینا اور دیکھ بھال
کرنے والوں کو آگے بھیج دینا۔

مہاجرین و انصار میں سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی جو اس لشکر میں
شامل نہ ہو ان میں ابوبکرؓ تھے، عمرؓ تھے، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنا چاہی

اس نوعمر لڑکے کو مہاجرین و انصار کے جلیل القدر
افراد پر امیر مقرر کیا جا رہا ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے سر پر پٹی باندھے ہوئے نکلے،
چادر اوڑھے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

لوگو! یہ کیا بات ہے جو اسامہ کے امیر بنائے جانے
کے متعلق مجھ تک پہنچی ہے اگر تم آج اس کی امارت
میں نکتہ چینی کر رہے ہو (تو کوئی نئی بات نہیں)
تم پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی معترض تھے اللہ
کی قسم وہ بھی امارت کا حقدار تھا اور اس کے بعد اس
کا بیٹا بھی اس کا اہل ہے یہ دونوں میرے نزدیک
محبوب ترین افراد میں سے ہیں۔ اس کے ساتھ اچھا
سلوک کرنے کے متعلق میرا حکم سن لو یہ تمہارے بہترین
افراد میں سے ہے۔

اس طرح ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر اس سے بہت عظیم تھا کہ ان لوگوں کو سزا دیتے جو اس قیادت پر اعتراض کر رہے تھے جو آپ نے لشکر کے لئے پسند فرمائی تھی اور یہاں تک بڑھے کہ قائدِ اعلیٰ کے اختیارات میں مخل ہوئے جو بیک وقت اللہ کے رسول، امت کے محسن، شرف کے بانی اور عظیم عسکری قائد تھے جیسا کہ امام علی رض ان کے متعلق فرماتے ہیں:

کنا اذا احمر البأس اتقینا برسول
اللہ فلم یکن منا أقرب الی العدو منه

جب گھمسان کا رن پڑتا تو ہم رسول اللہ کی آڑ میں
اپنا بچاؤ کرتے تھے اس لئے کہ دشمن کے نزدیک تر
اُن سے زیادہ کوئی نہ ہوتا

ایسا عظیم پیغمبر ہوتے ہوئے بھی اسامہ کی قیادت پر اعتراض کرنے والوں میں سے کسی کو اس خطرناک غلطی پر ڈانٹا نہ جھڑکا اور نہ انہیں فسق یا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے القاب دیئے زیادہ سے زیادہ ان کی فہمائش کے آخر میں فرمایا:

استوصوا به خیرا فانه من خیارکم

اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کے متعلق میرا
حکم سن لو کہ یہ تمہارے بہترین افراد میں سے ہے۔

یہ سب اس لئے تھا کہ آپ مسلمانوں پر واضح کردیں کہ اسامہ کا انتخاب حکم الٰہی سے نہیں ہوا اور اس انتخاب کا تعلق وحی کے ساتھ بھی نہیں بلکہ یہ ذاتی انتخاب ہے جس کی بنیاد اسامہ کی اہلیت اور اس بات پر ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکرِ اسلام کے قائد کے طور پر انہیں پسند کرتے ہیں اور ان کی کہی ہوئی بات پر حضور علیہ السلام کی ناراضی یا آخرت میں جوابدہی یا عذاب کا سبب نہ ہوگی اسی لئے آپ نے خطاب کا اختتام

ان اسباب کو شمار کرنے پر فرمایا جو اس نوجوان قائد کے انتخاب کے پیچھے کارفرما تھے اور مسلمانوں کو اسامہ کے زیر قیادت چلنے کا حکم دیا۔

اس مقام پر ہم ایک روایت ذکر کرتے ہیں جسے ابن عباسؓ نے خلیفۂ ثانی عمرؓ سے نقل کیا ہے اور جو احکام الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی پسند و ناپسند کے متعلق صحابہ کے طرز عمل کے متعلق مکمل صراحت کرتی ہے ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرؓ کے شام کی جانب اسفار میں ایک بار میں ان کے ساتھ تھا ایک دن اونٹ پر چلتے ہوئے وہ تنہا رہ گئے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔

کہنے لگے:

اے ابن عباس! مجھے تم سے تمہارے عم زاد کی شکایت کرنا ہے میں نے اسے ساتھ آنے کو کہا تو انہوں نے میری بات نہیں مانی میں اسے ناخوش سا دیکھتا آرہا ہوں تمہارے خیال میں اس کی ناراضی کا سبب کیا ہے؟

میں نے کہا:

امیر المؤمنین! آپ خوب جانتے ہیں۔

کہنے لگے:

میں سمجھتا ہوں کہ خلافت نہ ملنے پر ملول رہتے ہیں۔

میں نے کہا:

یہی وجہ ہے ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں امیر بنانا منظور تھا۔

بکنے گے ،

اے ابن عباس رض ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں امیر بنانا چاہتے تھے تو کیا ہوا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ چاہا ! رسول اللہ ایک چیز چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ دوسری چیز کا تھا، کیا جس چیز کو رسول اللہ چاہتے تھے وہ ہوئی ! آپ چاہتے تھے کہ ان کا چچا اسلام لے آئے لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا، لہذا وہ اسلام نہ لایا۔"(۱)

مذکورہ بالا امور کے علاوہ خلافت کے متعلق صریح طور پر حکم الٰہی کے رجحان کو تسلیم کرنے میں درج ذیل پانچ رکاوٹیں ہیں ۔

ا ، صحابۃ الرسول اور خلافت کے متعلق ان کا موقف ۔

ب ، خلافت کے بارے میں امام علی رض کے فرمودات ،

ج ، امام علی رض کا خلفاء کی بیعت کر لینا اور خلفاء راشدین کی خلافت کو شریعت کے مطابق قرار دینا ۔

د ، خلفاء راشدین کے حق میں حضرت علی رض کے ارشادات ۔

ر ، خلفاء راشدین کے متعلق شیعہ اماموں کے اقوال ۔

ا : صحابہ کرام اور خلافت کے متعلق ان کے موقف کا بیان

گزشتہ صفحات پر ہم نے زمانۂ رسالت کی واضح تصویر کھینچ دی ہے

(۱) شرح نہج البلاغۃ : ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۱۳ ۔

اور اس شخصی اور اجتماعی آزادی کی وسعت بیان کی ہے جو اس نوتشکیل اسلامی معاشرہ میں نافذ تھی اور ان امور پر ہم نے ان آیات کریمہ سے استشہاد کیا ہے جو ایسی تقریری اور اجتماعی آزادیوں کو محدود کرنے کے متعلق وارد ہوئیں جن کے ذریعے نبیؐ کی ایذا رسانی کی گئی اور مسلمانوں کی عزت و حرمت کو مجروح کیا گیا۔ یہ بھی ہمارے ذمے ہے کہ پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ بتا دیں کہ نوخیز اسلامی معاشرہ کی یہ تصویر جو ہم نے پیش کی ہے مدینہ اور مضافات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہو جانے والے تمام طبقات کی عام تصویر تھی اس میں منافقین بھی تھے اور وہ کمزور ایمان والے بھی جن کی تالیف قلب کی جا رہی تھی اور وہ بھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مخاطب فرمایا ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ
قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي
قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ
لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ
وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝
قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللّٰهَ بِدِينِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ
لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ
عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (الحجرات ۱۴-۱۷)

گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان
نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں
اور ایمان ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔
اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروگے
تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔
بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے مومن تو وہ ہیں
جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک
میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے
لڑے یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔ ان سے
کہو کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتلاتے ہو اور اللہ
تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف
ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے یہ لوگ تم پر احسان
رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دو کہ اپنے
مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ
تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا
راستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے مسلمان ہو۔

ان آیات میں غور و فکر کرنے والا علم الیقین کی حد تک جان لیتا ہے کہ اس اکثریت کے ضمن میں جس کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے آپ کے صحابہ کی پاکیزہ و منتخب جماعت بھی موجود تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے چلتی تھی اور اپنے خون اور مال کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتی تھی، اسلام کے عزو شرف کی تعمیر کرتی اور اسے گھیرے میں لئے ہوئے خطرات سے حفاظت میں شریک رہتی تھی۔

بھی وہ کبار صحابہ مہاجرین و انصار تھے جو آسودگی ہو یا تنگی ہر حالت میں سائے کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے تاکہ وہ آئندہ نسلوں کے لئے اچھا نمونہ بنیں اور ہر وقت گھات میں رہنے والے دشمنوں سے دفاع کر سکیں اس پاکیزہ اور امت محمدیہ کی مقدس جماعت کی قرآن کریم میں بڑی روشن تصویر موجود ہے جس کا ہر کلمہ اس دور کی پاکیزگی، عظمت، جلال، جمال، صحابہ کے اخلاص اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع کی راہ میں فدائیت سے عبارت ہے آیئے مل کر یہ آیات پڑھیں :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ
بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا ۝ (۱)

محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ
ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس
میں رحمدل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا
ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور
اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں

(۱) الفتح ۲۹

(کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان
پڑے ہوئے ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں
(مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔
(وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے)
اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی
اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی
والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے جو لوگ
ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے
ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم
کا وعدہ فرمایا ہے۔

اسی روشن زمانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ایک اور وصف بھی ہے جسے حضرت علیؓ نے ذکر کیا ہے اور ہم بھی یہاں درج کرتے ہیں:

میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو
دیکھا ہے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھتا صبح ہوتی تو وہ
پریشان بال اور غبار آلود ہوتے کہ انہوں نے رات
سجدہ و قیام میں بسر کی ہوتی پیشانیاں تھک جاتیں
تو اپنے گال زمین پر لگا دیتے اپنی آخرت یاد کر کے
گویا انگاروں پر لوٹنے لگتے اُن کی آنکھوں کے درمیان
کے حصے طویل سجدوں کے سبب بکری کے گھٹنوں کی
طرح بن گئے تھے، اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھوں سے
آنسو اُمڈ آتے یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے۔

عذاب کے ڈر اور ثواب کی اُمید میں ایسے ہلتے جیسے
سخت آندھی میں درخت ہلتے ہیں۔"(۱)

آیئے ایک بار پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان سنیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اوصاف، نبی اور ان کی رسالت پر ان کے غیر مشروط اور لامحدود ایمان کی وسعت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور چچوں کے خلاف برسر جنگ رہتے تھے اور اس سے ہمارے ایمان و جذبہ تسلیم میں اضافہ ہوتا، ہم چند لقموں پر گزر بسر کرتے، تکلیفیں برداشت کرتے اور دشمن کے خلاف جہاد میں مصروف رہتے، ایسا بھی ہوتا کہ ایک آدمی ہم میں سے اور ایک آدمی کفار میں سے سانڈوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہر ایک گھات لگاتا کہ کون اپنے مدمقابل کو موت کا پیالہ پلاتا ہے کبھی میدان ہمارے ہاتھ رہتا اور کبھی دشمن غالب آتے، جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا صدق جانچ لیا، تو ہمارے دشمنوں کو ذلیل کیا اور ہمیں اپنی نصرت سے نوازا یہاں تک کہ اسلام نے ترکش ڈال دی وطن بنا کر قرار گزیں ہوا اللہ کی قسم ہم ان اشیاء کے مرتکب ہوتے جو تم کرتے ہو تو نہ دین کا کوئی ستون استوار ہوتا نہ اس کا کوئی شجر سرسبز ہوتا اور اللہ کی قسم تم دودھ کی بجائے اس سے خون دوھو گے اور اسکے بعد نادم ہو گے(۲)

(۱) نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۹۔ (۲) نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۰۴۔

یہاں ایک سوال کئے بغیر چارہ نہیں کیا اس قسم کے ساتھی جن کی اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان مدح فرمائی اور امام علیؓ نے توصیف کی کسی ایسے معاملے میں نص الٰہی کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور شریعت و قانون وارد ہوئی ہو؟ وہ احکام الٰہی کے محافظ اور انہیں نافذ کرنے والے تھے اور اس کی خاطر انہوں نے ہر چھوٹی بڑی چیز کی قربانی دی تھی خصوصاً جب کہ اس حکم کا براہ راست تعلق مسلمانوں کے مفادات یا ان کے مستقبل کے ساتھ ہو اور ان بنیادوں کی تعمیر کے ساتھ ہو جنہیں مضبوط کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

اس سب کچھ کے بعد ہم اس کتاب میں ذاتی رجحانات، تعصبات اور وراثتی رسوم ورواج سے دُور رہتے ہوئے تصحیح کا پیغام دے رہے ہیں، اس پیغام کا مخاطب پڑھا لکھا، سمجھدار طبقہ اور شیعہ کے وہ آزاد فکر فرزند ہیں جن کے ساتھ میں نے ندائے اصلاح پر لبیک کہنے کے متعلق امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، اس لئے اب میں دوسرے عنوان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور وہ ہے خلافت کے متعلق امام علیؓ کے اقوال تاکہ ہم واضح طور پر دیکھ لیں کہ کس طرح امام علیؓ صراحت فرماتے ہیں کہ خلافت کے مسئلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

خلافت کے متعلق امام علیؓ کے فرمودات

امام علیؓ فرماتے ہیں:

مجھے چھوڑ دو کسی اور کو تلاش کر لو کیوں کہ ایسی صورت حال سامنے آ رہی ہے جس کے کئی رخ کئی رنگ ہیں خوب جان لو اگر میں نے تمہارا کہا مان لیا تو اپنے علم کے مطابق تمہیں چلاؤں گا اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تم سے کسی ایک کی طرح رہوں گا جسے بھی تم امیر بناؤ گے میں اس

معاملہ میں تمہارا حکم سنوں گا اس کی اطاعت کروں گا
اور میں امیر سے وزیر کے طور پر تمہارے لئے بہتر ہوں[۱]

آیئے ایک بار پھر امام علیؓ کی بات سنیں انہوں نے حضرت عثمانؓ کی بیعت سے پہلے اہلِ شوریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس امر کا تمام
لوگوں سے زیادہ حق دار ہوں اللہ کی قسم جب تک مسلمانوں
کے معاملات سلامتی کے ساتھ رہیں اور صرف مجھ پر
ہی ظلم ہوتا رہے تو میں اللہ تعالیٰ سے اجر و فضل
کی امید کرتے ہوئے مزید اطاعت کرتا رہوں گا[۲]

آپ کے ایک مصاحب نے پوچھا جب آپ لوگ مقامِ خلافت کے سب سے زیادہ حق دار تھے تو آپ کی قوم نے آپ کو اس منصب سے دور کیوں رکھا؟ تو آپ نے فرمایا

جب تو نے دریافت کیا ہے تو سن لو جہاں تک اس
زبردستی کا تعلق ہے جو ہم پر روا رکھی گئی کہ ہمیں عالی
نسبی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین
تعلق کے باوصف پیچھے رکھا گیا تو یہ ایک ترجیح تھی۔
کچھ دل اس کے معاملہ میں تنگ پڑ گئے اور ایک گروہ
کے دلوں نے سخاوت کا ثبوت دیا، فیصلہ اللہ کے
ہاتھ میں ہے قیامت کے دن اس کی طرف
لوٹ کر جانا ہے۔[۳]

(۱) نہج البلاغہ ج ۱، ص ۱۸۲
(۲) نہج البلاغہ ج ۱، ص ۱۳۶ - (۳) نہج البلاغہ ج ۲ ص ۶۲

ہمیں امام علیؓ کی وہ تصریحات بھی پڑھنی چاہئیں جن میں پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ خلافت کے بارے میں عدم رغبت کا اظہار فرمایا ہے بلکہ وہ تو خود اسے مسترد کرتے تھے البتہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ دوسروں کی نسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ امامؓ نے کبھی یہ ذکر نہیں کیا کہ اللہ کی جانب سے خلافت کے متعلق صریح حکم وارد ہوا ہے امام فرماتے ہیں:

> اللہ کی قسم مجھے خلافت سے کوئی لگاؤ ہے نہ والی بننے کی خواہش تم نے خود مجھے دعوت دی یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی جب خلافت مجھ تک پہنچی تو میں نے اللہ کی کتاب اور اس کے بتلائے ہوئے طریقہ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بروئے کار لانے کا حکم دیا ہے کو دیکھا تو اس کی اتباع کی۔
> نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو دیکھا اور آپ کی اقتداء کی"(۱)

ایک دوسرے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

> جس طرح ماں اپنے بچے کی طرف دوڑتی ہے اس طرح تم میری طرف بیعت کرتے ہوئے آئے میں نے اپنی مٹھی بھینچ لی تم نے اسے کھولا میں نے تم سے ہاتھ چھڑایا تم نے خود اسے پھیلایا"(۲)

ایک اور مقام پر امام موصوف مالک الاشتر کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم .... میرے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں
آئی نہ میرے دل میں گزری کہ عرب یہ منصب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے چھین لیں
گے نہ یہ کہ وہ آپ کے بعد میرے سوا کسی اور
کو کبھی یہ منصب دے سکتے ہیں میں نے تو اچانک
دیکھا کہ لوگ ابن ابی قحافہ پر بیعت کے لئے ٹوٹ
پڑے تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

امام علی رضی اللہ عنہ کے خود کو خلافت کے لئے اولیٰ سمجھنے کے متعلق یہ واضح عبارت پڑھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ ہم ان کے وہ اقوال بھی پڑھیں جو انہوں نے اپنے پیش رو خلفاء کے شرعی طور پر خلیفہ منتخب ہونے کے متعلق فرمائے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ امام علی رضی اللہ عنہ کس طرح ان کی بیعت کے درست اور شرعی ہونے پر ایمان اور اعتقاد رکھتے تھے امام نے فرمایا،

حقیقت یہ ہے بیعت ایک ہی بار ہوتی ہے اور
اس میں نظرثانی نہیں کی جاتی اور نہ سوچ بچار کی
مہلت لی جاتی ہے اس سے نکلنے والا اپنے دین
کو مطعون کرنے کا موجب ہے اور اطاعت میں سستی
کرنے والا مداہنت کا مرتکب ہے۔[2]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں،

---

(۱) ، نہج البلاغۃ ، ج ۳ ص ۱۱۹۔
(۲) ، نہج البلاغۃ ، ۳۱ ، ۸ ۔

خوب جان لو تم نے فرمانبرداری کی رسی ہاتھ سے چھوڑ
دی ہے اور اللہ کی جانب سے خود پر بنائے گئے
قلعے میں تم نے جاہلیت کی ضربیں لگا کر دراڑیں
ڈال دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اتفاق
کو الفت کی ایسی رسی سے باندھا کر جس کے سائے
میں چلیں اور اس کی پناہ میں واپس آئیں ایسی
نعمت ہے کہ اس کی قدر و قیمت مخلوق میں سے
کوئی بھی نہیں جان سکتا کیوں کہ وہ ہر قیمت سے
گراں تر اور ہر خیال سے بالاتر ہے۔ جان لو کہ تم
ہجرت کے بعد پھر سے بدوی بن گئے ہو اور معاہدہ
کے بعد پھر سے جماعتیں بن گئے ہو اسلام کے ساتھ
سوائے نام کے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور ایمان کو
ایک رسم کے علاوہ تم کچھ بھی نہیں سمجھتے[1]

آئیے ایک مرتبہ پھر امام علی رضؓ کے فرمودات سنیں جب کہ وحدت کے چھوٹنے سے اجماع کے نتیجہ میں قائم ہونے والی خلافت و امامت کے شرعی ہونے پر زور دے رہے ہیں کہ عامۃ المسلمین اور انتخاب کے وقت غائب اکثریت پر بھی اس طریقہ سے منتخب خلیفہ کی اطاعت فرض ہے۔

مجھے اپنی زندگی کی قسم اگر امامت عامۃ المسلمین
کے حاضر ہوئے بغیر منعقد نہ ہو سکتی ہو تو اس کے

(۱)۔ نہج البلاغہ، ۳ / ۱۵۴۔

انعقاد کا کوئی راستہ ہی نہیں اور یہ صحیح نہیں بلکہ
حاضر لوگ غیر حاضروں کی جانب سے فیصلہ دیتے
ہیں پھر حاضر کو بیعت توڑنے اور غیر حاضر کو کسی
دوسرے کے انتخاب کا حق نہیں رہتا"[1]

ج۔ امام علی کا خلفاء کی بیعت کرنا اور خلفاء راشدین کے شرعی ہونے پر زور دار تائید کرنا

مسئلہ خلافت اور اس کے متعلق اللہ تعالٰی کی جانب سے نص کی عدم موجودگی کے متعلق حضرت علیؓ سے منقول تصریحات ہم نے قدرے تفصیل سے ذکر کی ہیں اب ایک اور موضوع کی طرف توجہ دینا ضروری ہو گیا ہے وہ یہ کہ اگر خلافت آسمانی تصریح سے ہوتی اور یہ نص حضرت علیؓ کے متعلق ہوتی تو کیا حضرت علیؓ کے لئے ممکن تھا کہ اس سے چشم پوشی کرتے اور خلفاء کی بیعت کر لیتے اور وہ منصب ان کے حوالے کر دیتے جس کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔

علماء شیعہ حضرت علیؓ کی خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کے متعلق تالیف کردہ متعدد کتب میں اس امر کی دو طرح توجیہ پیش کرتے ہیں، کچھ تو وہ حضرات ہیں جو کہتے ہیں کہ امام علیؓ نے خلفاء کی بیعت اس ڈر سے کر لی کہ مبادا اسلام ضائع ہو جائے اور ایسی پھوٹ پڑے کہ قصرِ اسلام منہدم ہو کر رہ جائے اس لئے وہ اپنے حق سے دستبردار ہو گئے اور خلافت ان خلفاء کے سپرد کر دی جنہوں نے ان کا حق غصب کیا تھا دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام علیؓ نے بیعت اپنی جان کے ڈر سے کی اور تقیہ پر عمل کیا جس کا ہم کئی مقامات پر ذکر چھیڑ چکے ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ جو توجیہ کی ہے کہ اسلام اس وقت تک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہوا تھا لوگوں کا اسلام کے ساتھ تعلق ابھی نیا نیا تھا اس لئے اسلام کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا تو اس خیال کو لغو قرار دینے کے لئے حضرت علیؓ کا حضرت عثمان کی بیعت

(۱) نہج البلاغہ ۲ / ۸۶۔

کر لینا ہی کافی ہے جو اس دور میں ہوئی جب اسلامی خلافت کا دائرہ مشرق میں بخارا اور مغرب میں شمالی افریقہ تک وسیع ہو چکا تھا اس زمانہ میں آباد زمین کے اکثر حصہ پر خلافت کی حکمرانی قائم تھی۔

اس کے علاوہ خلافت کی بحث میں عجیب ترین اور سب سے زیادہ وسعت رکھنے والا معاملہ جس سے اس مسئلہ پر مفصل بحث کرنے والے شیعہ مصنفین اور دوسرے فرقوں کے علماء نے تعرض ہی نہیں کیا یہ ہے کہ انہوں مسئلہ خلافت پر حضرت علیؓ اور ان کے پیشرو خلفاء سے قطع نظر مستقل طور پر بحث نہیں کی بلکہ اسے کچھ شخصیتوں اور ناموں کے ساتھ مربوط کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ خلافت کے متعلق اس انداز گفتگو نے مجھے متحیر و مدہوش کر دیا ہے کیونکہ اگر حضرت علیؓ کی شخصیت کے حوالے کے بغیر مستقل طور پر اس مسئلہ پر بحث کی جاتی تو وہ ان تمام قاعدوں کو ڈھا کر رکھ دیتی جو شیعہ سنی تنازع کے زمانہ میں بنائے گئے تھے۔

اگر خلافت بیا اسلامی عقیدہ کی روشنی میں اس بات سے قطع نظر کر کے بحث کی جائے کہ خلیفہ کون بنے گا تو مسلمانوں کو پریشانی اور امور خلافت کے منفی اور اس پر مرتب ہونے والے برے اثرات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ میری معروضات کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت دوسرے لفظوں میں امامت اگر ربانی نص پر مبنی تھی اور اس بارے میں آسمانی حکم موجود تھا قطع نظر اس سے کہ حضرت علیؓ کو والی بنانا مقصود تھا یا کسی اور کو تو وہ تمام توجیہات و تاویلات جو شیعہ راوی اور امامی علماء پیش کرتے ہیں جن کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ امام علیؓ نے پہلے خلفاء کی بیعت اسلام کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر اور رسول اللہؐ کے بعد لوگوں کے مرتد ہو جانے کے ڈر سے، یا تقیہ کی وجہ سے کی۔ ہوا میں اڑ جائیں گی اور اڑتی ہوئی دھول کی مانند ہو کر رہ جائیں گی کیونکہ اگر خلافت نص الٰہی سے ثابت ہوتی تو کوئی

بھی خواہ وہ اسلام میں کتنا بھی بڑا مقام و مرتبہ کیوں نہ رکھتا ہو اس کے بالمقابل کھڑا نہ ہو سکتا تھا اور اپنے خیالات و تصورات میں جواز تلاش کر کے اس کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا لہذا حضرت علیؓ یا ان کے علاوہ کسی بھی صحابی کو یہ اختیار نہ تھا کہ وحی سے صادر ہونے والی خدائی نص پر عمل موقوف کر دیں۔

جب حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہوتے ہوئے یہ طاقت و استحقاق نہیں رکھتے کہ پیغام الٰہی پہنچانے میں ہچکچائیں یا اسے چھپا لیں تو کوئی ایسا شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم مرتبہ ہو نص الٰہی کو چھپانے یا اس سے آنکھیں بند کر لینے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے؟ رسالت و وحی کی تبلیغ کے لئے درج ذیل آیات سے بڑھ کر کوئی واضح اور صریح حکم نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ (المائدہ ۶۷)

"اے پیغمبر جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم
پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر
ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر
رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ
تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا"

وَإِن تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ " (العنکبوت: ۱۸)

"اگر تم میری تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی امتیں
(اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں اور پیغمبر

کے ذمے کھول کر سُنا دینے کے سوا کچھ بھی نہیں"

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (۱)

"پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر
نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف
(احکام کا) پہنچا دینا ہے"

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ
وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا
لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ
مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ (۲)

"شاید تم کچھ چیز وحی میں سے جو تمہارے پاس
آتی ہے چھوڑ دو اور اس (خیال) سے تمہارا
دل تنگ ہو کر کافر یہ کہنے لگیں کہ اس پر کوئی
خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس کے ساتھ کوئی
فرشتہ کیوں نہیں آیا اے محمدؐ تم تو صرف نصیحت
کرنے والے ہو اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے"

خلافت کو خلیفہ سے مربوط کرنے اور ان کے درمیان فرق ملحوظ نہ رکھنے

(۱) الشوریٰ ۴۸

(۲) ھود ۱۱

(جیسا کہ ہم نے عرض کیا) کے سبب ہی شیعہ راویوں کے لئے یہ راستہ ہموار ہوا کہ شیعہ اور تشیّع کے مابین معرکہ آرائی کے اس زمانہ میں جو چاہیں لکھتے جائیں امام شریعت ساز نہ تھے نہ انہیں اس کا دعویٰ تھا۔ نص کی موجودگی میں اجتہاد بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ خلافت کی نص کے متعلق اجتہاد کر رہے ہوں اور نص اس بارے میں خاموش ہو وہ اس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ اس کا سرعنوان وُہ خود تھے۔

لھٰذا اگر خلافت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور حکم آسمانی کے مطابق بھی ہو تو قطع نظر اس سے کہ کون اس کا والی بنتا ہے مسلمانوں کا عام حق اور آسمانی دستور تھا۔

مسئلہ خلافت میں جو تفصیلات ہم نے بیان کی ہیں اور یہ حقیقت کہ اگر خلافت ا[...] کے صریح حکم سے ہوتی تو کوئی بڑی سے بڑی شان والا بھی اس کی خلاف ورزی نہ [...] سکتا نہ اس کا انکار یا اس سے تغافل برت سکتا (اگر پیش نظر رہیں تو اختلا[ف] کی گنجائش ہی نہیں رہتی) لیکن ہمارا سامنا علمار شیعیت کے ایک بڑے گروہ سے ہے جس نے اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اسی لئے انہیں حضرت علیؓ کی بیعت کی یہ تاویل کرنا پڑی کہ انہوں نے تقیہ کیا یا خوف زدہ ہو گئے یا انہیں ان کی خواہش و عقیدہ کے برخلاف ایک کام پر مجبور کر دیا گیا۔

یہاں ان لوگوں کے کردار کی باری آئی جنہوں نے حضرت علیؓ اور ان کی شخصیت کو ختم کرنا چاہا اور بالواسطہ طور پر انہیں الزامات کا نشانہ بنانا چاہا اس طرح زمانہ رسالت و عہد صحابہ کے متعلق ہر چیز کو ختم کیا جا سکتا ہے کیوں کہ زمانہ رسالت کو جس میں کبار صحابہ بھی شامل ہیں تاریک ترین منظر میں اسی وقت پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ اس اسلامی معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے صریح احکام سے بغاوت کا نقشہ کھینچا جائے اور یہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص باور کرایا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صحابہ تک اس نص کی تبلیغ اور صحابہ کے اس

نفس کو جان لینے کے باوصف اس کی خلاف ورزی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک دغاباز، مداہنت کیش اور چاپلوس آدمی کی شکل میں تصویر کشی کی جائے جو پچیس برس تک اپنے پہلے خلفاء ثلاثہ کا بظاہر دیانتدار مشیر اور گرم جوش دوست بنا رہا جو ان کی مدح میں رطب اللسان اور ان کی تعریف میں بہترین کلمات کہتا اور کرنے والا ہو اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہ تھا جو وہ کرتا تھا اس پر اس کا ایمان نہ تھا یہاں تک کہ اس نے مجبوری کی حالت میں ہی اپنی بیٹی ام کلثوم عمرؓ بن خطاب کے عقد میں دے دی اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمرؓ و عثمان رکھے حالانکہ وہ ان کے یہ نام رکھنے پر راضی نہ تھے۔ وعلی ہذا القیاس۔

علماء شیعہ اور ان کی احادیث کے راویوں۔ اللہ انہیں معاف کرے نے حضرت علیؓ کے متعلق صراحتہً یا کنایۃً جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے میں نہیں جانتا کہ قیامت کے دن جب حضرت علیؓ نے ان کے متعلق اپنے رب سے شکایت کی تو ان لوگوں کا موقف کیا ہوگا!

اسی طرح میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس اکثریت کے درمیان غیر معمولی گروہ موجود تھا جس نے متحدہ اسلامی فکر میں تبدیلی پیدا کر کے اسے نفاق و اختلاف کے راستے پر ڈالنے اور حضرت علی و عمرؓ سمیت اسلام اور مسلمانوں پر ضرب کاری لگانے میں اپنا کردار ادا کیا حالانکہ بظاہر یہ لوگ خود کو شیعہ مذہب کے حامی کے طور پر پیش کرتے تھے مگر ان کا مقصد تمام مذاہب کو ختم کرنا بالفاظ دیگر اسلام کو طعنوں کا نشانہ بنانا تھا چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک جو غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے ہمیں اس نظریہ کا نام و نشان تک نہیں ملتا کہ حضرت علیؓ سے خلافت چھینی گئی یا یہ کہ خلافت خدائی حق تھا جو ان سے چھین لیا گیا۔ یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے اکٹھے ہو کر یہ کام کیا اور اس طرح سے جیسا کہ ہم نے کہا۔ حضرت علیؓ کے خلافت کے لئے اولویت کے نظریہ کو خدائی خلافت

اور اللہ تعالیٰ کے منصوص حکم کی مخالفت کے نظریہ سے بدل دیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانی اور دیگر فلسفوں کے عربی افکار میں داخل ہونے کو معتزلہ اور اشاعرہ مکتب فکر کی تأسیس میں بڑا حصہ ہے، شیعہ اور تشیع کے تصادم اور شیعہ کو موجودہ صورت میں ظاہر کرنے کے پس منظر میں بھی یہی افکار کارفرما تھے۔

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خلافت کو اس شکل میں پیش کرنا جس میں شیعہ مذہب کے علماء نے شیعہ راویوں کی روایات پر اعتماد کرتے ہوئے اسے پیش کیا شیعہ مذہب کی غیر شیعہ سے علیحدگی اور دیگر اسلامی مذاہب سے دوری کا سبب تھا دوسرے فرقوں کے ساتھ باہم میل جول اور موانست سے دور رکھنے، ایک طبقہ میں اس مذہب کو مقید رکھنے اور دوسرے فرقوں کے ساتھ راہ و رسم سے روکنے کے لئے نفرت کا مزاج پیدا کرنا ضروری تھا جو قرب کے ہر امکان کو روک دے۔ لہذا شیعہ نے خلفاء راشدین کی تشنیع کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے ائمہ کی زبانوں پر اپنے راویوں کی وضع کردہ روایات کو ذریعہ بنا کر اس کی مذمت کرتے رہے ان موضوع روایات نے جو اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے آثار چھوڑے انہیں اللہ کے سوا کوئی شخص شمار میں نہیں لا سکتا۔

ہم یہاں شیعہ سے خالص انہی کی منطق میں گفتگو کر رہے ہیں اس سے ہم خلفائے راشدین کے متعلق امام علیؓ کے اقوال درج کرتے ہیں۔ پھر حضرت امامؓ کے بارے میں اقوال سے شہادت پیش کرتے ہیں پھر اپنے آپ سے پوچھتے ہیں کیا ایسے عظیم الشان امام نے خلفاء کی نہ چاہتے ہوئے بیعت کی جب کہ وہ اس پر راضی نہ تھے؟ یا وہ اپنے اس رویہ سے مسلمانوں کو بیعت کے ذریعے دھوکہ دے رہے تھے؟ کیا انہوں نے ایسی بات زبان سے کہی جسے حق نہیں سمجھتے تھے؟ اور ایسا عمل بجا لاتے رہے جس پر ان کا اپنا ایمان نہیں تھا؟

کیا شیعہ کو واقعی علیؓ سے سچی محبت ہے؟ جب کہ وہی ایسے امور ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں، یا صرف اقتدار حاصل

کرنے اور اپنی ریاست کی بنیاد رکھنے کیلئے یہ پُرخار راستہ اختیار کر رہے ہیں خواہ اس راستہ میں انہیں حضرت علیؓ کی شہرت، ان کی جلالتِ قدر، عظمتِ ذاتی اور مقامِ بلند کی قربانی بھی دینی پڑے۔

(د) خلفاءِ راشدین کے متعلق امام علیؓ کے اقوال

آیئے امام علی کو خلیفہ عمرؓ بن خطاب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سنیں۔

"اللہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آزمائش سے کس طرح سرخرو نکلے انہوں نے ٹیڑھا پن نکالا اور بیماری کا علاج کیا، فتنہ کو ماند کیا اور سنت قائم کی، اس حالت میں گئے کہ دامن صاف عیب نایاب تھا، خیر حاصل کی شر سے بالاتر رہے، اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کی اور کما حقہ تقویٰ اختیار کیا۔ اب آپ رحلت فرما گئے ہیں تو لوگ چوراہے پر کھڑے ہیں ناواقف کو راہ سجھائی نہیں دیتی اور واقف یقین سے بہرہ مند نہیں ہوتا" (۱)

دوسرے مقام پر جب خلیفہ نے رومیوں کے ساتھ جنگ میں بذاتِ خود شریک ہونے کے مسئلہ میں ان سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر آپ دشمن کی طرف بذاتِ خود جاتے اور ان کے مقابلہ میں اترتے ہیں تو شکست کی صورت میں

(۱) نہج البلاغہ ج ۲، ص ۲۲۲۔

مسلمانوں کے لئے بعید ترین علاقے کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور آپ کے بعد کوئی مرکزی شخصیت بھی نہ رہے گی جس کی طرف وہ رجوع کریں لہٰذا ان کی طرف کوئی تجربہ کار آدمی بھیج دیں آزمودہ کار اور خیر خواہ مصاحب اس کے ساتھ کر دیں اگر اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی تو یہی آپ چاہتے ہیں بصورت دیگر لوگوں کے سر پر آپ کا سایہ قائم رہے گا اور آپ کی ذات مسلمانوں کے لئے مرجع رہے گی اور ان کی ڈھارس بندھی رہے گی" (۱)

ایک مرتبہ جب خلیفہ عمرؓ بن خطاب نے علیؑ ابن ابی طالب سے جنگ کے لئے جانے کے متعلق مشورہ طلب کیا تو امام علیؑ نے بذات خود نہ جانے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

"آج عرب اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن اسلام کی بدولت کثیر اور اتفاق کی بدولت غالب ہیں آپ محور بن کر عربوں کے ذریعے چکی چلائیں اور خود ایک طرف رہ کر ان کو جنگ کی آگ میں جھونکیں اگر ایرانیوں نے آپ کو ان کے ساتھ دیکھا تو سوچیں گے کہ عربوں کی جڑ یہی ہے اسے کاٹ ڈالو تو راحت پالو گے اس طرح

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۲، ص ۲۸۔

یہ امران کے آپ پر اُمڈ آنے کا باعث ہوگا اور
وہ آپ کے متعلق اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کا حوصلہ
پائیں گے جہاں تک ان کی اس استعداد کا تعلق
ہے جس کا آپ نے ذکر کیا تو ہم پہلے بھی ان کے
ساتھ کثرت کی وجہ سے مقابلہ نہ کرسکتے تھے ہماری
جنگ تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے ہوتی ہے"(۱)

اور یہ دیکھیے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ بن عفان سے محو گفتگو ہیں اور
انہیں اللہ کے رسول کے مقرب صحابی کی صفات سے متصف بتا رہے ہیں :

"لوگ میرے پیچھے ہیں انہوں نے مجھے اپنے اور
آپ کے درمیان واسطہ بنا کر بھیجا ہے اللہ کی قسم
میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا کہوں۔ میں کوئی ایسی
چیز نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں میں آپ
کی رہنمائی کسی ایسے امر کی طرف نہیں کرسکتا جسے آپ
جانتے نہ ہوں آپ بھی وہ کچھ جانتے ہیں جس کا علم
ہمیں ہے۔ ہم کسی چیز میں آپ سے آگے نہ تھے
کہ آپ کو اس کی خبر دیں اور ہم کسی امر میں منفرد
نہ تھے کہ آپ تک وہ بات پہنچائیں آپ نے بھی
ہماری طرح دیکھا اور ہماری طرح سنا آپ نے بھی
رسول اللہ کی مصاحبت کی جیسا کہ ہم نے کی۔ ابن ابی
قحافہؓ اور عمرؓ بن خطاب حق پر عمل کرنے میں آپ سے

(۱) ، نہج البلاغہ ج ۲، ص ۳۰۔

آگے نہ تھے رشتہ کے لحاظ سے آپ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف دونوں سے زیادہ قرب رکھتے
ہیں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
دامادی کا شرف حاصل ہے جو ان کو نہ تھا پس اپنے
بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ کی قسم
آپ بے بصارت نہیں کہ آپ کو راہ دکھائی جائے
آپ جاہل نہیں کہ آپ کو تعلیم دی جائے" (۱)

ایسے ہی ایک مرتبہ حضرت امام علیؓ ابن عباسؓ کے ساتھ خلیفہ عثمانؓ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے ابن عباسؓ عثمانؓ تو بس یہ چاہتا ہے کہ مجھے
پانی کے ڈول نکالنے والا اونٹ بنائے کہ میں آگے
پیچھے ہوتا رہوں میری طرف اس نے پیغام بھیجا کہ
میں جاؤں، پھر پیغام بھیجا کہ میں آؤں اب پھر پیغام
بھیجا ہے کہ جاؤں میں نے اس کا اس حد تک دفاع
کیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہیں گناہ گار نہ ہو جاؤں" (۲)

معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے نام ایک خط میں خلیفہ عثمانؓ بن عفان کے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پھر تم نے جو میرے اور عثمانؓ کے معاملے کا تذکرہ
کیا ہے تمہارا حق ہے کہ تمہیں اس کا جواب دیا جائے

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۲، ص ۲۳۳۔
(۲) نہج البلاغہ ج ۳، ص ۳۰۔

یوں کہ تم اس کے قریبی رشتہ دار ہو تو بتاؤ ہم میں
سے کون اس کا دشمن اور اس کی قتل گاہ کی راہ
جاننے والا تھا کیا وہ جس نے انہیں نصرت کی
پیش کش کی لیکن انہوں نے اسے بیٹھے رہنے اور
ہاتھ روکنے کو کہا یا وہ جس سے انہوں نے مدد مانگی
تو اس نے دیر کی اور موت کے اسباب روانہ
کر دیئے میں اس بات سے معذرت نہیں کر سکتا
کہ بعض امور میں ان پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہوں
اور میرا گناہ یہ ہے کہ میں ان کی رہنمائی کرتا اور
سیدھی راہ دکھاتا رہا ہوں میری طرح کے کتنے ہی
لوگ ہوں گے جنہیں ملامت کی جاتی ہے لیکن ان
کی خطا نہیں ہوتی" (۱)

اور یہ دیکھئے بنو امیہ کا بزرگ ابو سفیانؓ امام علیؓ کی خدمت میں ان کے گھر میں حاضر ہوتا ہے اور ان سے کہتا ہے

"اس معاملہ میں قریش کا حقیر ترین گھرانہ غالب
آگیا ہے اللہ کی قسم میں اس سرزمین کو سواروں
اور پیادوں سے بھر دوں گا اپنا ہاتھ لاؤ کہ
تمہاری بیعت کر لوں"

تو امام علیؓ اس سے کہتے ہیں۔

---

(۱) نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۳۰۔

"تم اسلام اور اہلِ اسلام کے دشمن ہی رہے اور
تمہاری دشمنی اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی
ہم نے ابوبکر کو اس منصب کے اہل سمجھا، تم تو بس
فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو" (۱)

اگر خلفاء کے متعلق امام علیؓ کا موقف یہ ہو اور وہ صراحت کے ساتھ اس کا اعلان کرتے ہوں تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام زبان سے تو یہی کہتے تھے لیکن دل میں کچھ اور چھپائے ہوئے تھے! معاذ اللہ من ذلک۔ اگر امام ایسے ہوتے کہ ظاہر کچھ کریں اور پوشیدہ کچھ اور رکھیں تو آپ وہ موقف اختیار نہ کر سکتے جو انسانی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ناقابلِ فراموش ہے وہ تو صدق، اخلاص اور ایمان کا موقف ہے ایک ایسے انسان کی طرف سے جو ہر قسم کی قیاس آرائیوں سے قطع نظر کر کے اول و آخر حق و صداقت کا ساتھ دیتا ہے اور اس راستے میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے چنانچہ یومِ شوریٰ میں جب عبدالرحمانؓ بن عوف نے امام علیؓ کو خلافت یہ کہہ کر پیش کی:

"میں تمہاری اس شرط پر بیعت کرنے کو تیار ہوں
کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور سیرت
شیخین پر کاربند رہو گے"

تو امام نے فرمایا:

"کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اپنی مجتہدانہ رائے"

عبدالرحمانؓ بن عوف نے اپنی بات تین بار دہرائی اور امام نے بھی وہی جواب تین بار دہرایا۔ پھر عبدالرحمانؓ عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی صورت میں خلافت پیش کی جس صورت میں امام کو پیش کی تھی تو عثمانؓ نے اسے قبول کر لیا اور ان

(۱) علی امام المتقین از عبدالرحمان الشرقاوی ج ۱ ص ۶۶

کے لئے بیعت ہوئی۔

"کیا وہ علی" جو ذخانہ کرنے کی نیت سے ایک کلمہ "ہاں نہیں کہتا اور اس کے لئے اسلامی خلافت کی طرف جس کا پرچم ربع مسکون کے بڑے حصے پر لہرا رہا تھا آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کبھی خوشامد کر سکتا ہے؟ اور کبھی ایسی بات کرتا ہے جو اس کے ضمیر کے مطابق نہیں ہے یا خلفاء کی بیعت کر لیتا ہے اور ان کی تعریف میں بہت سی باتیں کرتا ہے ان کے ساتھ ناصحانہ اور امانتدارانہ رویہ اختیار کرتا ہے اور اس کا اصل مقصد یہ سب کچھ نہیں ہوتا؟

باوجودیکہ تاریخ اسلام کے اس ناقابل فراموش لمحہ میں امام علیؑ کے موقف کی دلکش تصویر ان کے فضائل، صدق، اخلاص اور زہد فی الدنیا کے متعلق تفصیل میں جانے سے بے نیاز کر دیتی ہے تاہم اس مقام پر ہم امام کی زبان سے نکلے ہوئے چند جملے جو انہوں نے اپنے متعلق، اپنے اخلاص کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو فنا کر دینے کے جذبے کے متعلق فرمائے ہیں درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ■ اللہ کی قسم! اگر ساتوں جہان اور جو ان کے آسمانوں کے نیچے ہے مجھے اس خاطر دیئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے میں چیونٹی کے منہ سے جَو کا دانہ تک چھین لوں تو ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ تمہاری یہ دنیا میرے نزدیک اس پتے سے بھی کم تر ہے جو ایک ٹڈی کے منہ میں ہو اور وہ اسے چبا رہی ہو۔"[1]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

---

(۱) نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۱۸۔

"یہ آٹا ملا پانی ہے اور لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں اٹک جاتا ہے اور پھل جو پکنے سے پہلے کاٹا جائے' ایسے کاشتکار کی طرح جو کسی دوسرے کی زمین میں بیج ڈالے اگر بولوں تو کہتے ہیں بادشاہی کی حرص ہے اگر چپ رہوں تو کہتے ہیں موت سے ڈر کا نتیجہ ہے اس سب کچھ کے بعد یہ کس قدر بعید ہے اللہ کی قسم! ابوطالب کا بیٹا موت سے اس سے بھی زیادہ مانوس ہے جس قدر بچہ ماں کی چھاتی سے ہوتا ہے" (۱)

عثمان بن حنیف والی بصرہ کے نام ایک خط کے ضمن میں فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں نے تمہاری دنیا سے سونا جمع نہیں کیا نہ اس کی غنیمتوں سے وافر ذخیرہ کیا ہے اور نہ میں نے اپنے بوسیدہ جوڑے کو بدلنے کیلئے کوئی پرانا کپڑا ہی رکھا ہے کیا میں اس پر راضی رہوں کہ مجھے امیرالمومنین کہہ کر بلایا جائے اور میں زمانے کے مصائب میں ان کا شریک نہ بنوں یا میں تنگی، ترشی کی زندگی میں ان کے برابر نہ رہوں یا میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور میرے گرد بھوکے پیٹ اور پیاسے حرارت زدہ جگر ہوں ناممکن ہے کہ میری خواہش

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۲، ص ۲۰۸۔

نفس مجھے کھانوں اور لذتوں کے انتخاب کی طرف لے جائے اور نجد و یمامہ میں شاید ایسے لوگ بھی ہوں جو سیر ہو کر کھانا بھول چکے ہوں بلکہ روٹی کی اُمید بھی باقی نہ رکھتے ہوں اور شاید تم میں سے کوئی یہ کہہ دے کہ اگر ابوطالب کے بیٹے کی خوراک یہی ہے تو کمزوری اُسے بہادروں سے مبارزت اور جنگ کرنے سے عاجز کر کے چھوڑے گی جان لو کہ جنگل کے پودوں کی لکڑی سخت ہوتی ہے اور سرسبز پودوں کی چھال نرم ہوتی ہے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی رشتہ رکھتا ہوں جو ایک جڑ سے پھوٹنے والے دو تنوں میں ہوتا ہے اور جو بازو کا کلائی سے ہوتا ہے اللہ کی قسم! اگر تمام عرب بھی میرے ساتھ لڑائی کے لئے نکل آئے تو میں ان کے مقابلہ سے مُنہ نہ موڑوں گا،،[1]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

- اللہ کی قسم! یہ بات کہ میں رات بھر سعدان کے کانٹوں پر لوٹتا رہوں زنجیروں میں جکڑا کھینچا جاتا رہوں مجھے اس بات سے پسند ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اس حالت میں پیش ہوں

---

۱ نہج البلاغہ ج ۲، ص ۷۰۔

کہ میں نے بندوں پر ظلم کیا ہو یا دنیا کا سامان

غصب کیا ہو" (۱)

عبداللہ رضی بن عباس کو دیکھئے کہ ایک روز " ذیقار" کے مقام پر حضرت علی رض کے پاس جاتے ہیں تو انہیں جوتا مرمت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ حضرت امام ان سے پوچھتے ہیں کہ اس جوتے کی قیمت کیا ہے؟

ابن عباس کہتے ہیں اس کی کچھ قیمت نہیں

تو امام فرماتے ہیں اللہ کی قسم! مجھے یہ تمہارے امیر بننے سے زیادہ پسند ہے الّا یہ کہ میں کوئی حق قائم کر سکوں یا باطل ہٹا سکوں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ جنگِ جمل کے بعد سیدہ عائشہ رض کے ساتھ حضرت امام علی رض کے سلوک کا تذکرہ کروں چنانچہ حضرت امام رض نے سیدہ عائشہ ام المومنین کا وہ احترام کیا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہونے کی وجہ سے آپ مستحق تھیں جب میدانِ جنگ سے قریشی خواتین کی معیت میں انہیں واپس کیا۔

البتہ شیعہ تو سیدہ عائشہ رض کو اس جنگ میں حضرت علی رض کے مقابل نکلنے کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ ام المومنین کے ساتھ ان کا رویہ امام کے رویہ سے متعارض ہے میں اس مقام پر وہ امور ذکر نہیں کرنا چاہتا جو سیدہ عائشہ کے حامی امام علی رض کے بالمقابل ان کے خروج کو جائز ثابت کرنے کے لئے ذکر کرتے ہیں اس لئے کہ یہ معروف چیزیں ہیں کتابوں کی دسیوں جلدوں میں یہ تذکرہ پھیلا ہوا ہے انہیں دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں نہ ان کی کچھ ضرورت ہے۔

میں تو خالص شیعی منطق کے ساتھ نظریاتی دنگل کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں

---

(۱) نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۱۶۔

یعنی امام علیؓ نے اس جنگ کی ذمہ داری سیدہ عائشہؓ پر نہیں ڈالی بلکہ انہیں اس سے بری قرار دیا جس کی انہوں نے قیادت کی امامؓ ہی وہ خلیفہ تھے جو لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے فرماتے اور اس سے سر مو انحراف نہ کرتے جب حضرت امام نے یہ ذمہ داری اس گروہ پر ڈالی جنہوں نے ام المؤمنینؓ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر ایک منتخب شرعی خلیفہ کے خلاف جنگ کی قیادت کے لئے انہیں ان کے گھر سے نکالا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیؓ کی نگاہ میں حضرت عائشہؓ جنگ جمل کے تمام متعلقات اور نتائج سے بری تھیں یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آنے اور مدینہ واپس پہنچانے کا حکم دیا جیسا کہ تمام کتب تاریخ متفق ہیں تاکہ ثابت کر سکیں کہ حضرت امام جو عادل قاضی تھے کی نگاہ میں سیدہ عائشہ بے گناہ تھیں۔ اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضرت امام کے عمل اور رائے کو چیلنج کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ پر اعتراض کرے یا زبان دراز کرے کہ حضرت امامؑ جنگ جمل اور ام المؤمنین کی ناکام قیادت پر گفتگو کرتے ہوئے واضح انداز میں صراحت فرما چکے ہیں:

"ان کا احترام اب بھی پہلے کی طرح واجب ہے، حساب لینا اللہ کا کام ہے۔"

بہت سے مقامات پر حضرت علیؓ نے اس مسئلہ میں ان لوگوں کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپ کے الفاظ میں انہیں اپنے پیچھے لگا لیا۔ (۲)

حسن اتفاق ہے کہ شیعہ علماء میں سے بھی بعض نے یہی موقف اختیار کیا جو ام المؤمنینؓ کے لائق ہے اور ان کے بارے میں جارحانہ کلام سے رکتے رہے چنانچہ سید مہدی طباطبائی جو بارہویں صدی کے شیعہ علماء میں سے تھے اپنے فقہی قصیدہ میں

(۱) نہج البلاغہ ج ۲، ص ۴۸۔

(۲) نہج البلاغہ ج ۲، ص ۸۴۔

حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

أیا حُمیراء سَبُّکِ مُحرّم
لأجلِ عینِ الفُ عینٍ تُکرمُ

اے حمیرا تمہیں سب و شتم کرنا حرام ہے ایک
آنکھ کی خاطر ہزار آنکھ کا احترام ضروری ہو جاتا ہے"

خلافت اور خلفاء کے متعلق أئمہ شیعہ کے اقوال

ہم اس فصل کا اختتام خلافت اور اس کے متعلق جیسا کہ ہم نے اس فصل کے مقدمہ میں کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نص کے موجود نہ ہونے کے متعلق ائمہ شیعہ کے موقف کی واضح نقوش والی تصویر کھینچ کر کرنا چاہتے ہیں تا کہ بحث مکمل ہو جائے۔

اگر امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بارہویں امام تک صرف حضرت علیؓ کی اولاد میں منحصر ہوتی جیسے کہ شیعہ کا مذہب ہے تو ضروری تھا کہ حضرت علیؓ اپنے بیٹے حسنؓ کو اپنے بعد خلیفہ اور امام کے طور پر مقرر کرتے جب کہ راویوں اور مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ امام نے بھی ابن ملجم مرادی کی زہر آلود تلوار سے وار کے بعد جب بستر پر تھے اور ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس کو خلیفہ بنا کر جا رہے ہیں تو فرمایا:

"میں تمہیں ویسے ہی (بلا تعیین خلیفہ) چھوڑ کر
جا رہا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ
کر گئے تھے"

امام کی وفات کے بعد مسلمان جمع ہوئے اور ان کے فرزند حضرت حسنؓ کو خلیفہ چن لیا اور خلیفۃ المسلمین کے طور پر ان کی بیعت کر لی۔ لیکن امام حسنؓ نے معاویہؓ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت سے دستبردار ہو گئے امام کے صلح کی وجہ یہ

بتائی کہ یہ مسلمانوں کی خونریزی روکنے کے لئے ہے۔

تم خود سوچو۔ اگر خلافت منصب الہٰی ہوتا تو کیا حضرت امام حسنؑ خونریزی روکنے کے لئے اس حق سے دستبردار ہو سکتے تھے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جب اللہ کے حکم اور شریعت کا دفاع کیا جا رہا ہو تو اس مقام پر خونریزی روکنے کا معنی ہی کچھ نہیں ہے ورنہ پھر اللہ کی راہ میں اس کے دین و شریعت اور اوامر و نواہی کی مضبوطی کے لئے جہاد و قتال کے حکم کا کیا مطلب رہ جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اور آسمانی حق کے سامنے جانیں بچانا تو اس آیت سے کھلا تعارض رکھتا ہے۔

إِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ٥ (۱)

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور (اس کے عوض میں) ان کیلئے بہشت (تیار کی) ہے یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے تو جو سودا تم نے اس سے

کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔"

جب امام حسین یزید بن معاویہ کی خلافت کا تختہ الٹنے کے لئے اُٹھے اور اپنے بیٹوں اور ساتھیوں سمیت کربلا میں شہید ہو گئے تو انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ آسمانی خلافت کا دفاع کر رہے ہیں جسے یزید نے چھین لیا ہے بلکہ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ وہ یزید کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں اور یہ کہ ان جیسا آدمی یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا اور یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے احیاء کے لئے اٹھے ہیں جو یزید کے ہاتھوں سے تحریف کا شکار ہو رہا ہے۔

امام علی بن الحسین جن کا لقب سجاد ہے کے اقوال میں بھی کوئی ایسی عبارت نہیں ملتی جو دلالت کرے کہ خلافت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ امام سجاد کے بعد امام محمد الباقر کا زمانہ آتا ہے اور انہی کے دور میں اہل بیت کا فقہی مذہب ترقی پذیر ہوا جسے ان کے بیٹے جعفر صادق نے تکمیل تک پہنچایا، اسی طرح ہمیں تو خلافت الٰہیہ کے نظریہ کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آتا نہ ان دونوں کے زمانہ میں اور نہ ہی غیبت کبریٰ تک دوسرے ائمہ شیعہ کے زمانہ میں۔

اور اس مقام پر ایک اور چیز غور و فکر کے لائق ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سمیت خلفاء راشدین پر طعن و تشنیع کے متعلق شیعہ راویوں کی جملہ روایتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اس پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ امام صادق جو اثنا عشری جعفری مذہب کے بانی اور سربراہ سمجھے جاتے ہیں کئی مقام پر فخریہ کہتے ہیں،

"ابو بکر دو اعتبار سے میرے جدّ امجد ہیں"

امام صادق کا نسب دو طریقوں سے ابو بکر تک پہنچتا ہے ایک تو ان کی والدہ فاطمہ بنت قاسم بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے توسّط سے اور نانی اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر کے واسطے سے جو فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں لیکن تعجب کی

بات ہے کہ ہمارے راویوں نے (اللہ انہیں معاف کرے)۔ اسی امام سے جو اپنے جدّ امجد ابوبکرؓ پر فخر کرتا ہے ایسی بے شمار روایات ذکر کی ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ پر حرف گیری کی گئی ہے تو کیا یہ معقول ہے کہ ایک طرف تو امام اپنے جدِ امجد پر فخر کریں اور دوسری طرف ان پر زبانِ طعن دراز کریں ؟ اس قسم کی بات عام بازاری آدمی سے تو صادر ہو سکتی ہے لیکن معاذ اللہ۔ اس امام سے صادر نہیں ہو سکتی جسے اپنے زمانہ و عہد کا سب سے بڑا فقیہ اور متقی سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ راویوں نے ائمہ شیعہ کے ساتھ جن کے انصار ہونے اور ان کے موروثی علوم کو زندہ رکھنے کے لئے متعدد کتابیں تالیف کرنے کا خود دعویٰ رکھتے ہیں انہوں نے ان کے ساتھ بُرا سلوک کرنے میں بالواسطہ طریقہ سے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ ہم ان کتابوں کی تالیف اور ان میں موجود باہم دیگر خلط ملط روایات کے زمانے کو شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی کے عصر اول کا نام دیتے ہیں کیوں کہ شیعہ اور تشیع میں کشمکش اسی زمانہ میں منصۂ شہود پر آئی۔ میرا خیال ہے کہ خلافت اور اس کے متعلقات کے بارے میں ہم نے تفصیل سے گفتگو کی ہے اور اب ہمارے وقت یہ ہے کہ نظریۂ اصلاح و تصحیح کے متعلق گفتگو کریں جس کی ہم دعوت دیتے ہیں جس کے ہم متمنی ہیں اور فرزندان شیعہ امامیہ کو جس پر چلنے اور اس کے پرچم تلے جمع ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ہم شیعہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ قلم فروشوں اور پیشہ ور مقرروں اور فرقہ بندی کی دعوت کو ذریعۂ معاش بنانے والوں کے بالمقابل اپنی تمام تر قوت و استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں۔ فرزندان شیعہ میں سے اصحاب فکر و نظر اور تعلیم یافتہ طبقہ سے۔ کہ جن کے ساتھ ہم نے نظریۂ تصحیح کہ جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں۔ کی کامیابی کے سلسلہ میں امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ ہم اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس اکثریت کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے مینار بن جائیں جو فرقہ بندی کے داعیوں اور تنگ ذہنوں بیمار

روحوں اور خواہشات کے پیرووں سے سنی سنائی باتوں پر ایمان لے آتی ہے

اصلاحی تجاویز

اب میں ترمیم کے بنیادی نقاط پیش کرنا شروع کرتا ہوں اور میری امید اس تعلیم یافتہ، روشن دماغ اور بالغ نظر طبقہ سے وابستہ ہے جس کی جانب پہلے اشارہ کرچکا ہوں

(۱) خلافت کے موضوع کو اس حقیقی دائرے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے جس کی تصریح قرآن کریم نے کی ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۱)

"وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں"

قرآن اور اجماع مسلمین کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے شیعہ کو چاہئے کہ خلفاء راشدین کو اس نگاہ سے دیکھیں اور ان کے بارے میں وہی رویہ اپنائیں جو امام علیؓ نے اختیار کیا تھا، یہ تسلیم کریں کہ خلفاء راشدین اسلام کے اولین معماروں میں سے تھے انہوں نے اپنی مدتِ خلافت میں اجتہاد کیا جس میں کبھی درست فیصلے تک پہنچے اور کبھی خطائے اجتہادی کا شکار ہوئے ان میں سے ہر ایک نے جہاں تک اس سے ہو سکا خدمت اسلام انجام دی۔

چنانچہ خلیفۂ اوّل نے اپنی احتیاط، صبر، جرأت اور قطعی فیصلہ کی صورت سے فتنۂ ارتداد سے اسلام کو بچایا وہ فتنۂ ارتداد جو ان جنگوں کا سبب بنا جن میں بیس ہزار صحابہ اسلام کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے اور مسلمان اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے۔

یہ دیکھئے امام علیؓ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے دن ان کے دروازے پر کھڑے انہیں مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں۔

"اے ابو بکر! تم پر اللہ کی رحمت ہو تم سب سے

(۱) الشوریٰ ۳۸

پہلے اسلام لانے تمہارا اخلاص سب سے بڑھ کر تھا اور یقین سب سے زیادہ قوی سب سے بڑھ کر فائدہ بھی تمہیں نے پہنچایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال سب سے زیادہ تم نے رکھا، خلق، فضیلت عادات واطوار میں نبی کے ساتھ مشابہت رکھنے والے بھی تمہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اسلام رسول اللہ اور مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے تم نے اس وقت رسول اللہ کی تصدیق کی جب لوگ انہیں جھوٹا کہہ رہے تھے، تم اس وقت آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے جب لوگ بیٹھ چکے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام صدیق رکھا والذی جاء بالصدق وصدق به (جو سچ لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی) اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تم ہو۔ اللہ کی قسم تم اسلام کے لئے قلعہ اور کفار کے لئے ایک عذاب تھے، تمہاری حجت کم نہیں ہوئی اور نہ تمہاری بصیرت کمزور پڑی، نہ تمہارا حوصلہ پست ہوا، تم پہاڑ کی مانند تھے جسے آندھیاں نہیں ہلا سکتیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کمزور بدن لیکن اللہ کے حکم پر عمل کرانے میں قوی تھے اپنے آپ میں

متواضع لیکن اللہ کے ہاں عظیم المرتبت' زمین میں معزز اور
مومنوں کے نزدیک معظم تمہیں جتنے کوئی شخص تم سے غلط توقع
نہیں رکھ سکتا تھا نہ تمہارے اندر کسی ایک کیلئے لچک تھی، طاقتور
تمہارے نزدیک کمزور ہوتا تھا جب تک کہ تو اس سے حق نہ لے لے
اور کمزور تمہارے نزدیک طاقتور ہوتا تھا جب تک کہ تو اسے
اس کا حق نہ دلا دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اجر سے ہمیں محروم
نہ رکھے اور تمہارے بعد ہمیں گمراہ نہ کرے" (۱)

اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ناقابل فراموش جرأت کے
ساتھ مشرق و مغرب میں دائرہ اسلام کو وسعت دے کر اسلام کو عظیم قوت عطا کی
وہی ہیں جنہوں نے وسیع و دور دراز علاقوں مثلاً شام، مصر و فلسطین اور ایران میں
اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔

اور خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
دوہری دامادی کا شرف حاصل ہوا، اگر وہ اپنے بہت سے ساتھیوں میں ممتاز مقام کے حامل
نہ ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نکاح میں اپنی دو بیٹیاں نہ دیتے۔ زمانہ
دعوت میں انہوں نے بڑی جد و جہد کی۔ ان کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ اغنیاء قریش
میں سے تھے۔ ایک ہزار سرخ اونٹ کے مالک تھے انہوں نے وہ اونٹ بیچے اور ان کی
قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے راستے میں اور مسلمانوں پر خرچ کر دی
اس زمانے کے حساب کے مطابق ان کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ طلائی سکے لگایا گیا
تھا۔ آپ کا عہدِ خلافت، وہ زمانہ تھا جس میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتے

(۱) عبد الرحمان شرقاوی - ملاحظہ ہو "الصدیق اول الخلفاء"

ہوتے ہندوستان کے آس پاس پہنچ گیا۔ زندگی کے اواخر میں بھی وہ امور خلافت کی ادائیگی میں ناکام نہیں ہوئے بلکہ وہ اسّی برس کی عمر کو پہنچنے کے باوجود جب شہید ہوئے تو تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔

خلفاء کے متعلق طعنہ زنی اور اخلاق سے گرے ہوئے لب و لہجہ میں ان کی مذمت۔ جیسا کہ شیعہ کی اکثر کتب میں پائی جاتی ہے جائز نہیں۔ یہ اندازِ گفتگو تمام اسلامی اور اخلاقی معیاروں کے منافی ہے حتیٰ کہ امام علیؓ کے کلام اور خلفاء کے حق میں ان کے توصیفی اور تعریفی کلمات سے بھی۔ جیسا کہ ہم پہلے درج کر چکے ہیں بالکل متضاد ہے۔ شیعہ پر واجب ہے کہ خلفاء راشدین کا احترام کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق پہچانیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ و عمرؓ کے داماد بنے عثمانؓ نبی کے دو بار داماد بنے حضرت عمرؓ بن الخطاب حضرت علیؓ کے داماد بنے ان کی بیٹی ام کلثومؓ سے نکاح کیا اور میں اس دعوت تصحیح شیعیت میں شیعہ سے ہرگز یہ مطالبہ نہیں کروں گا کہ امام سے پہلے ہونے والے تین خلفاء کے متعلق ان کے بارے میں امام علی کے فرائض سے بڑھ کر کچھ اعتقاد رکھیں۔ اگر شیعہ حضرت علیؓ کے رویّہ کو اپنا لیں تو اُمت اسلامیہ پر فکری امن و سلامتی کا دور دورہ ہو جائے گا جس میں عظیم اسلامی وحدت کی ضمانت ہے۔

۲ ۔ ان شیعہ کتب کی تطہیر جن میں خلفاء راشدین کے متعلق ائمہ شیعہ سے روایات ذکر کی گئی ہیں اور مندرجات کی چھان پھٹک کے بعد ان کتابوں کو دوبارہ چھاپنا

۳ ۔ شیعہ کو یقینی طور پر یہ عقیدہ بنا لینا چاہیے کہ وہ تمام روایات جو شیعہ کتب میں خلفاء کے متعلق اور خلافت کے موضوع پر نصوص الٰہیہ کے بارے میں ہیں یہ وہی روایات ہیں جو زمانہ غیبت کبریٰ کے بعد وضع کی گئیں اور یہ اس زمانے میں ہوا جب کہ شیعہ کے آخری امام۔ مہدی۔ تک رسائی کے تمام دروازے بند

ہو چکے تھے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اسی لئے خلفاء راشدین کے حق میں طعن و تشنیع پر مشتمل روایات اور خلافت کے موضوع پر نصوص الہٰیہ کے بارے میں امام حسن عسکری کے زمانے تک کوئی نام و نشان نہیں ملتا جو شیعہ کے گیارہویں امام تھے اور شیعہ ان تک براہ راست رسائی حاصل کر کے ان روایات کی صحت کے بارے میں دریافت کر سکتے تھے جو ان کے آباء و اجداد اماموں کی طرف منسوب کی جا رہی تھیں۔ لیکن بارہویں امام کے غائب ہو جانے اور اس غیبت کے بعد انہیں دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے کی کھلے لفظوں میں تکذیب کے باقاعدہ اعلان کے بعد ائمہ شیعہ کے نام سے بعض راویوں نے روایات وضع کرنا شروع کیں کیونکہ امام تک پہنچنا اور ان روایات کی صحت و سقم کے بارے میں سوال کرنا محال ہو چکا تھا چنانچہ ایسی احادیث اور ... وضع ہوئے جنہیں پڑھتے ہوئے شرم کے مارے پیشانی عرق ندامت سے شرابور ہو جاتی ہے

۴۔ شیعہ دلوں میں نفرت رکھنے کی پالیسی سے دست کش ہو جائیں اور اگر یہ درحقیقت امام علیؓ کے انصار میں سے ہیں تو ان کے طرز عمل کو بھی اپنائیں اور اپنے بیٹوں کے نام خلفاء راشدین کے ناموں اور بیٹیوں کے نام ازواج رسول کے ناموں پر رکھا کریں۔ میری مراد عائشہؓ و حفصہؓ سے ہے کیونکہ شیعہ ان ... ناموں سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں امام علیؓ نے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھے ائمہ شیعہ بھی اسی راہ پر چلے ائمہ کی کتنی ہی بیٹیوں کا نام عائشہ و حفصہ ہو گا یہ قطع نظر اس سے ہے کہ خلفاء راشدین کے ناموں پر نام رکھنے میں فرقہ بندی کے جذبات اور گروہ بندی میں بند رہنے سے نجات اور مسلمانوں کے ساتھ وسیع تر اتحاد میں داخل ہونے کا راستہ بھی ہے۔

صلح پسند فرزندان اسلام پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ شیعہ

علاقوں میں انہیں ایسے افراد نہیں ملتے جن کے نام خلفاء راشدین کے ناموں پر ہوں جب کوئی شخص شیعہ علاقوں کے طول و عرض میں سفر کرتا ہے تو یہ نام شاذ و نادر ہی پاتا ہے مثلاً ایران اور ایسے علاقوں میں جہاں شیعہ کا دوسرے اسلامی فرقوں کے ساتھ بہت اختلاف رہتا ہے ان ناموں کا نشان تک نہیں ملتا۔

۵ ۔ اس سیارہ (زمین) کے کسی بھی مقام پر موجود شیعہ کو جان لینا چاہئے کہ ان کی فکری اور اجتماعی پسماندگی کا حقیقی و بنیادی سبب اپنی مذہبی قیادت کی اتباع اور اس کی اندھی تقلید ہے جس نے انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح سمجھا ہے کہ جہاں چاہیں ہانکتے پھریں۔ یہی لیڈر رہیں جو شیعہ کی بدبختی، مشکلات اور مصائب کا سبب بنے ہیں جن کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔

باوجودیکہ میں ان میں سے بعض قائدین کو مستثنیٰ سمجھتا ہوں لیکن یہی حقیقت ہے کہ ماضی وحال میں شیعہ کے اذہان میں فکری بدعتوں کا کنٹرول زمانہ غیبت کبریٰ سے آج تک اکثریت کے ہاتھوں میں رہا ہے اس میں شک نہیں کہ ان قیادتوں کی آمدن میں سے خمس (وہ بدعت جس کا ہم خاص فصل میں ذکر کریں گے) کے نام پر شیعہ کے اموال میں سے حاصل ہونے والے مالی امتیازات اور شیعہ کی گردنوں پر حکم چلانے کے لامحدود اختیارات جو انہوں نے اپنے لئے بنا رکھے ہیں۔ بند آنکھوں پر سے پردہ اٹھانے اور دنیا اور اس کے سازوسامان سے بلند ہونے کی راہ میں مضبوط دیوار کی شکل اختیار کر گئے ہیں گویا کہ انہوں نے اللہ کا کلام سنا ہی نہیں جہاں وہ فرماتا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ
لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۱)

(۱) القصص ۸۲

" وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں
کے لئے تیار کیا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا
ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں
ہی کا ہے "

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

" آخر ما یخرج من راس الصدیقین
حب الجاہ "

" صدیقوں کے سر سے جو چیز آخر میں نکلتی ہے
حبِ جاہ ہے "

اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ شیعہ کے مذہبی قائدین شیعہ کے ساتھ گیند کی طرح کھیل رہے اور انہیں پاؤں کی ٹھوکروں سے ادھر ادھر لڑھکتے پھرتے ہیں وہ خود بھی انہیں مذاق بنائے ہوئے ہیں اور پوری دنیا کی اقوام کے نے اس جماعت کو تضحیک کا سامان بنا کر رکھ دیا ہے۔

میں عنقریب تصحیح کی ایک فصل میں شیعہ کی مذہبی قیادت کے استحصال کے دلائل وشواہد ذکر کروں گا(۲) جو انہوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں آج تک شیعہ فرقہ کے ساتھ۔ جہاں کہیں بھی یہ مسکین قوم موجود ہے روا رکھا ہے میں ہر فصل میں صریح الفاظ میں وضاحت کروں گا تاکہ ایک بات دوسری بات سے خلط ملط نہ ہو اور افکار باہم دگر گڈ مڈ نہ ہوں۔

---

(۱) دیکھیئے فصل " دہشت گردی "

تقیہ

میرا پختہ اعتقاد ہے کہ دُنیا میں ایسا کوئی گروہ موجود نہیں
جس نے اپنی تذلیل و توہین اس حد تک کی ہو جس قدر شیعہ
نے خود اپنی تقیہ کا نظریہ قبول کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر کی
ہے۔ میں اخلاص کے ساتھ اللہ کے حضور دُعا گو ہوں اور اس
دن کا منتظر ہوں جب شیعہ اس پر عمل تو درکنار اس
کے تصور سے بھی نفرت کریں گے !!

تقیہ کا خالص شیعی مفہوم کے مطابق۔ اور جیسا کہ شیعہ کتب میں وارد ہے اور امامیہ مذہب کے بعض علماء کی غیبت کبری سے تا دم تحریر پیش کردہ مفہوم کے مطابق۔ تصور کرنا بھی میرے لئے انتہائی مشکل ہے۔

میں نہیں جانتا کہ شیعہ سید الشہداء اور انقلابیوں کے امام حضرت حسینؓ کے انصار میں سے ہونے کا دعویٰ کس منہ سے کرتے ہیں جب کہ یہ تقیہ پر عمل پیرا ہیں، اس کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے لئے اسے پسند کرتے ہیں۔

میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شیعہ عقائد اور ان کے زعماء کی صدیوں پر محیط کھینچی ہوئی تصویر میں یہ عجیب تناقض کیا ہے۔ ایک طرف تو شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ائمہ کی سیرت ان کے لئے حجت ہوتی ہے لیکن جب معاملہ تقیہ تک پہنچتا ہے اور وہ اس کے (بالخصوص دوسرے فرقوں کے سامنے) واجب العمل ہونے پر گفتگو کرتے ہیں تو ائمہ کی سیرت کو دیوار کے ساتھ دے مارتے ہیں۔

ہمارے بعض علماء نے اللہ ان پر رحم کرے۔ تقیہ کا دفاع کرنا چاہا (۱)

(۱) بہت بڑے شیعہ عالم سید محسن الامین رحمہ اللہ اپنی کتاب "الشیعۃ بین الحقائق والاوھام" کے صفحہ ۱۶۸ پر تقیہ کا دفاع کرتے ہوئے رقمطراز ہیں، "تقیہ عقل و نقل دونوں سے ثابت ہے۔ عقل کا فیصلہ ہے کہ تقیہ کے ذریعہ ضرر سے بچاؤ کرنا جائز بلکہ واجب ہے اس پر تمام عقلاء متفق ہیں۔ نیز قرآن عزیز و سنت مطہرہ نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ قرآن میں اس مضمون کی کئی آیات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

"لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً" (۱)

مومنین کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ ہاں اگر اس طریقے سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں تقیہ صرف دوستی یا عداوت کے اظہار کی حد تک جائز ہے دین کے اظہار میں بھی جائز ہو سکتا ہے لیکن اگر دوسرے کو نقصان پہنچتا ہو اور وہ معاملہ قتل تک جا پہنچتا ہو تو تقیہ ہرگز جائز نہیں .... امام شافعی کا مذہب ہے کہ مسلمانوں کی حالت بھی مشرکوں جیسی ہو جائے تو جان بچانے کے لئے مسلمانوں کے سامنے تقیہ کر سکتا ہے۔ جان بچانے کے لئے تو تقیہ جائز ہے لیکن کیا مال بچانے کے لئے بھی جائز ہے؟ یا نہیں (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(۱) آل عمران : ۲۸ -

لیکن جس تقیہ کے متعلق شیعہ علماء گفتگو کرتے ہیں اور جو انہیں بعض زعماء نے سکھایا ہے وہ سرے سے وہ ہے ہی نہیں جس کا دفاع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کا معنی تو یہ ہے کہ آپ دل میں ایک بات چھپائے رکھیں اور زبان سے کچھ اور کہیں، ایسا عمل جس کا عبادت کے ساتھ تعلق ہے لیکن آپ اس کے قائل نہیں ہیں اسلامی فرقوں کے سامنے بجالائیں پھر اپنے گھر میں اپنے عقیدہ کے مطابق اس صورت میں دھرائیں جو آپ کے عقیدہ میں درست ہے۔

قبل اس کے کہ ان کی کھینچی ہوئی تصویر کے مطابق تقیہ کے تصور کے ظہور اور اس کے ائمہ کی طرف منسوب کرنے والے اسباب کے متعلق تفصیلی گفتگو کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا گہری نظر سے ائمہ شیعہ کے خاص و عام زندگی میں طرز کا جائزہ لیں تاکہ ہم دیکھ لیں کہ وہ تقیہ سے بہت دور تھے اور اس سے بہت زیادہ نفرت رکھتے تھے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ امر معقول نہیں ہے کہ شیعہ کے ائمہ خود اس پر عمل نہ کریں جب کہ وہ اپنے پیروؤں اور حامیوں کو اس پر عمل کی تلقین کریں۔

گزشتہ فصل میں امام علیؓ کی حدیث اور حق کے بارے میں ان کے بے لاگ رویہ کا ہم واضح ثبوت پیش کر چکے ہیں اسے ہم یہاں دہرانا نہیں چاہتے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) حدیث " حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہٖ " مسلمان کا مال بھی اس کے خون کی طرح حرام ہے اور حدیث " من قتل دون مالہ فہو شہید " جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے کی بنا پر اس کے جواز کا احتمال ہے۔

اصول کافی میں کلینی نے روایت کیا ہے کہ امام باقرؒ نے فرمایا۔ تقیہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر جائز ہے لیکن اس سے کسی دوسرے کے قتل تک نوبت پہنچ جائے تو یہ تقیہ تو نہ ہوا۔

جہاں تک امام حسنؓ کا تعلق ہے جو شیعہ[1] کے دوسرے امام تھے تو وہ بھی تقیہ اور لوگوں کو فریب دینے سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والے تھے۔ معاویہؓ کے ساتھ ان کی صلح اس کی شہادت دے رہی ہے امام حسنؓ کا صلح کر لینا انقلابی اقدام تھا اور اس زمانہ کی رائے عامہ جو امام کو گھیرے ہوئے تھی کے خلاف تھا۔ چنانچہ امام کو اپنے والد کے بہت سے ساتھیوں کی جانب سے جو کہ صلح نہیں چاہتے تھے کھلی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ سلیمان بن صرد نے جو کہ امام علیؓ کے بڑے حامیوں میں سے تھے امام حسنؓ کو یہ کہہ کر مخاطب کیا:

"السلام علیک یا مذل المؤمنین"

"السلام علیک مومنوں کو ذلیل کرنے والے"

اس صلح کے مخالفین متشدد اور طاقتور تھے امام کو ان کی جانب سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا لیکن اس سب کچھ نے امام کو کمزوری دکھلانے پر آمادہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس مخالفت کا بہادروں کی طرح مقابلہ کیا اب تم خود سوچ لو کہ اگر امام حسنؓ کے دل میں تقیہ کا کوئی مقام ہوتا تو کیا وہ معاویہؓ سے صلح کرتے یا ان لوگوں کی آواز پر لبیک کہتے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک معاویہ مسلمانوں کے ایک منتخب شرعی خلیفہ مان کر امام حسنؓ کی بیعت نہیں کر لیتے۔

پھر امام حسینؓ کا دور آتا ہے جو یزید بن معاویہؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان لوگوں کی نصیحت بھی نہیں سنی جنہوں نے انہیں مدینہ میں رہنے کا مشورہ دیا تھا اور عراق کی طرف جانے سے منع کیا تھا۔ جو شخص بھی حسینی تحریک کا مطالعہ کرتا ہے

---

(1) اہل بیت کے ان برگزیدہ حضرات کو "شیعہ کے امام" مجازی طور پر کہا گیا ہے کیونکہ سب مسلمان رسول اللہ کے اہل بیت کا احترام کرتے اور انہیں مقتدا سمجھتے ہیں۔

واضح طور پر جان لیا ہے کہ امام حسینؓ اور ان کی اولاد و اصحاب کی شہادت اور ان کے اہل بیت کی گرفتاری معرکے سے پہلے ہی ان کی نظروں کے سامنے تھی اور یقین کی حد تک انہیں اس کا علم تھا۔ چنانچہ دس محرم کی رات کو حسین نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا کل جنگ ہونے والی ہے اور لامحالہ وہ شہید ہو جائیں گے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بیعت توڑنے کا اختیار دیا اور ان لوگوں کو جو اس اندھیری رات میں میدان جنگ چھوڑ کر جانا چاہتے تھے جانے کی اجازت دے دی اور انہیں کہا۔

"رات کو (اونٹ کی طرح سواری) بنا لو اور
اپنے ٹھکانوں کی طرف کوچ کر جاؤ"

چنانچہ جانے والے چلے گئے اور ساتھ رہنے والے شہادت پانے اور بقائے دوام پانے والوں میں اپنا نام لکھوانے کے لئے ٹھہرے رہے کیا اس قسم کی انقلابی تحریک میں شیعہ کو تقیہ یا کوئی ایسی چیز۔ جس کا ان کے مزعومہ تقیہ سے دور کا بھی تعلق ہو۔ نظر آتی ہے۔؟

پھر امام علی بن الحسین کا دور آتا ہے جن کا لقب سجاد ہے یہ وہی ہیں جنہوں نے کربلا میں خونریزی ہوتے دیکھی اور اس بیماری کے سبب جس نے انہیں بستر پر پڑا رہنے پر مجبور کر دیا تھا لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ انہیں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ان کے والد کی شہادت کے بعد گرفتار کر لیا گیا اور زنجیروں میں جکڑ کر بغیر کجاوے کے اونٹ پر سوار کر کے کربلا سے شام کی طرف بھیجا گیا اس میں شک نہیں کہ آنسوؤں اور خون سے بھری ہوئی اندوہناک صورتحال جس کا سجاد نے عاشوراء کے روز مشاہدہ کیا تھا اور وہ ذلت آمیز سلوک اور اہانت جو انہیں قیدیوں کے ساتھ کربلا و دمشق کے درمیان سفر کے دوران برداشت کرنی پڑی ان کے ذہن میں ہر وقت اٹکی رہتی تھی امام علی السجاد تو عبادت کی طرف متوجہ ہوئے وہ دن رات روتے رہتے تھے حتیٰ کہ بکاء (بہت رونے والا)

ان کا لقب مشہور ہو گیا۔

اس دائمی اندوہ کا جو امام کے دل کو نچوڑ مارا رہتا تھا قدرتی نتیجہ تھا کہ آپ کے کلام اور خطبوں میں سے ایسی عبارتیں چھلک پڑیں جن نے برسر اقتدار اور بالخصوص خلافت کو جو اس وقت تک ان کے جدامجد علیؑ کو منبروں پر ہر نماز کے بعد برا بھلا کہتی تھی ہلا کر رکھ دیا چنانچہ امام سجادؑ نے ہمارے لئے چون[۵۴] دعائیں چھوڑی ہیں جو ایک کتاب میں جمع کردی گئی ہیں اور ان دعاؤں کا نام "صحیفہ سجادیہ" ہے۔

جو شخص ان دعاؤں کو پڑھتا ہے یقینی طور پر جان لیتا ہے کہ کس طرح یہ امام سجادؑ کے دل سے بعید ترین چیز تھی امام نے ان دعاؤں میں صراحت کے ساتھ بھی ضمنی طور پر بھی اموی حکومت کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔

درحقیقت یہ انقلابی دعائیں ہیں جو ایسے امام سے صادر ہوئی ہیں جس نے حجم کے اعتبار سے سب سے بڑی اور وقت کے اعتبار سے سب سے مختصر تحریک کا مشاہدہ کیا وہ چوں کہ اپنے خون کے ساتھ شریک نہ ہو سکے تھے لہٰذا وہ اپنی تلوار کی طرح کاٹ دار زبان کے ساتھ ہی شریک معرکہ ہو گئے۔ اور یہ دیکھئے امام سجادؑ ایک اور مرتبہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں حجاج ان کے لئے احتراماً راستہ چھوڑ دیتے ہیں خلیفہ ہشام یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور طواف کرنے والوں کے درمیان طواف کرتا ہے لوگ اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتے امام بھی خلیفہ کو دیکھتے ہیں لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ خلیفہ امام اور لوگوں کے اس رویہ کو دیکھ کر جل بھن جاتا ہے پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے امام کی طرف اشارہ کر کے پوچھتا ہے یہ کون ہے؟ قدرت کا کرنا یہ ہوتا ہے کہ شاعر فرزدق بھی موقع پر حاضر ہوتا ہے وہ فی البدیع اپنا پاکیزہ قصیدہ کہتا ہے جس میں خلیفہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

ولیس قولك من ھذا بضائرہ	العرب تعرف من اُنکرت والعجم
ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم	ھذا الإمام التقی الطاھر العلم
لو یعلم الرکن من قد جاء یلثمہ	لقبّل الرکن منہ موضع القدم
یغضی حیاءً و یغضی من مھابتہ	فلا یکلم الاحین یبتسم

"تمہارا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھنا کہ یہ کون ہے
ان کی چنداں تنقیص کا موجب نہیں اس لئے کہ اگر تم
انہیں نہیں پہچانتے تو کیا ہوا عرب و عجم تو انہیں
خوب پہچانتے ہیں۔ یہ اللہ کے تمام بندوں میں
سے بہترین بندے کے فرزند ہیں یہ مقتدا ہیں جو
تقوی شعار پاکباز اور عظمت کے پہاڑ ہیں اگر حجر
اسود کو خبر ہوتی کہ کون سی شخصیت اسے بوسہ دینے
کے لئے تشریف لائی ہے تو حجر اسود خود ان کے
پاؤں چومنے کے لئے آگے بڑھتا۔ وہ حیا کے
سبب نگاہ نیچی رکھتے اور لوگ ان کی ہیبت کے
سبب ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ پاتے
اور ان سے بات کرنے کی جرأت صرف اس وقت
ہوتی ہے جب وہ آمادہ تبسم ہوں"

امام اور حاکم خلیفہ کے مابین اس درشت ملاقات جس نے ثانی الذکر کو غضبناک کر دیا پر گہری نظر ڈالنے والا علم الیقین کی حد تک جان لے گا کہ تقیہ اور اس کے ساتھ کچھ بھی تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا امام کے دل کی جانب کوئی گزر نہ تھا۔

پھر امام باقر اور ان کے بیٹے امام صادق کا دور آتا ہے۔ یہی ہیں جنہوں

نے فقہی مکتب فکر کی بنیاد رکھی جو فقہ جعفری کے نام سے موسوم ہوا۔ ہر دو امام مدینہ میں مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور اپنی فقہی آراء کا اظہار فرماتے اور بلاخوف وخطر اہل بیت کے مذہب کی اشاعت کرتے۔ امام باقر اموی خلافت کے زمانہ میں تھے۔ امام صادق نے اموی خلافت کا آخری اور عباسی خلافت کا ابتدائی زمانہ پایا۔ خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ دونوں اماموں سے اختلاف رکھتی تھی۔ اہل بیت کے فقہی مکتب فکر کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی تاہم ان دونوں اماموں نے اپنا پیغام پہنچایا اور بہت سے فقہاء وعلماء نے ان کے ہاں سے تعلیم مکمل کی اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں اماموں نے خلاف حکومتوں سے بے خوف ہو کر اپنا فریضہ ادا کرتے رہے۔

عجیب بات ہے کہ بعض شیعہ راویوں نے امام صادق سے تقیہ کے واجب ہونے کے متعلق روایات ذکر کی ہیں جبکہ وہ اور ان کے شیعان کو تقیہ کی کچھ ضرورت نہ تھی کیوں کہ امام مسجد نبوی میں درس دیتے تھے تو ہزاروں شاگرد، طالب علم اور سماع والے آپ کے گرد ہوتے تھے۔ کاش میں جان سکوں کہ طلبہ اور تلامذہ کی اس کثرت والا اس قسم کا وسیع مدرسہ تقیہ پر مبنی کیسے قائم رہ سکتا ہے اور امام نے اس فقہی مدرسہ کی بنیاد رکھنے میں کس قسم کا تقیہ استعمال کیا جس کی بنیاد وہ مسلمانوں کے سامنے علانیہ رکھتے تھے باوجودیکہ ان میں مخلصانہ محبت رکھنے والے بھی تھے اور مصیبت پر خوش ہونے والے دشمن بھی:۔

امام موسیٰ بن جعفر عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ اتفاق نہ رکھتے تھے اور بغداد میں خلیفہ کی جیل میں کئی سال رہے اگر موسیٰ بن جعفر تقیہ کا راستہ اختیار کرتے اور خلیفہ کو فریب دیتے رہتے جو ان کا عم زاد بھی تھا اور ان کے درمیان قرابت کے تعلقات مضبوط رہتے تو جو کچھ ہوا نہ ہوتا۔

جب خلافت مامون تک پہنچی تو اس نے امام علی بن موسیٰ کو جن کا لقب

"الرضا" تھا۔ ولیعہد مقرر کیا۔ علی رضا امامیہ شیعہ کے آٹھویں امام ہیں لیکن امام مامون کی زندگی ہی میں وفات پا گئے اور سلسلۂ خلافت عباسیوں میں باقی رہا۔ امام رضا کی وفات کے بعد عباسی خلیفہ مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح امام رضا کے بیٹے محمد الجواد کے ساتھ کر دیا تاکہ خلیفہ عباسی اور خانوادہ علیؓ کے مابین محبت کا رشتہ منقطع نہ ہونے پائے یہ دونوں امام (باپ بیٹا) جن میں سے ایک خلیفہ کا ولیعہد اور دوسرا داماد تھا۔ بالکل تقیہ کے محتاج نہ تھے نہ انہوں نے شیعہ کو اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر وسیلہ کے طور پر تقیہ اختیار کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

اور امام جواد کے بعد علی اور اس کے بیٹے حسن عسکری کی باری آئی۔ جو شیعہ کے دسویں اور گیارہویں امام ہیں۔ دونوں نے عباسی خلافت کے پایۂ تخت بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ دونوں نے متوکل اور اس کے بیٹے معتصم کا زمانہ پایا۔ ... دونوں اماموں کا گھرانہ زائرین کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور وہ مسلمانوں کے دینی امور ... اہل بیت کے مذہب کی اشاعت کا اہتمام کرتے تھے ان دونوں اماموں کی زندگی ... مسلسل مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ وہ دونوں تقیہ سے سب لوگوں سے بڑھ کر دور تھے۔ علاوہ ازیں خلفاء کے جاسوس ان کی نقل و حرکت، ان کی اہل بیت کے مذہب کی طرف دعوت کی۔ جو درحقیقت عباسی خلافت کے خلاف تھی۔ نگرانی کرتے رہتے تھے لیکن ان دونوں اماموں نے اس کی کبھی پروا نہیں کی اور اپنے پیغام کو پہنچانے کے لیے حق کی راہ پر گامزن رہے۔

ائمہ شیعہ کی حیاۃ طیبہ میں سے یہ خلاصہ ہم نے یہ ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کہ مخصوص شیعی مفہوم میں ظاہر ہونے والا تقیہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ظہور پذیر ہوا اور یہ زمانہ بارہویں امام کے غائب ہو جانے کے اعلان کے بعد کا ہے اور یہ کہ اس کا ظہور اس زمانہ میں ہوا جب شیعہ اور تشیع میں تصادم کی ابتداء ہوئی اور شیعہ

کی مذہبی، سیاسی اور نظریاتی قیادت نے برسراقتدار عباسی خلافت کے غیر شرعی ہونے کا اعلان کرنے اور اسے ختم کرنے کے لیے خفیہ سرگرمیوں کا راستہ اختیار کرنا چاہا۔

یہ طبعی امر تھا کہ علی اور ان کے اہل بیت کے لیئے تشیع کے نظریہ میں کسی نئے عنصر کا اضافہ کیا جاتا جس سے اس نظریہ کو خوب مدد ملے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نص کا نظریہ خلافت کے ساتھ ملا دیا گیا اور اسی وقت سے عقیدہ کا یہ عنصر اس نظریہ نے گھیر رکھا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خفیہ مذہبی سرگرمیاں اس زمانہ میں شروع ہوئیں جس میں تقیہ ایسے شرعی فریضہ کے طور پر ظاہر ہوا جس پر عمل پیرا ہونا ہر اس شخص کے لیئے ضروری ہو جو مذہبی نظریہ رکھتا ہو اور اس کے اظہار میں اسے برسراقتدار گروہ یا مسلمانوں کی اکثریت کا خوف لاحق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ غیبت کبریٰ کے بعد ظاہر ہونے والی شیعہ مذہبی قیادت کو سہارا دینے میں تقیہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ تقیہ کی بدولت ہی یہ قیادت حاکم قوتوں سے بے خوف ہو کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکی اور اسی تقیہ کے پردے میں مالی تعاون بھی ان تک پہنچتا رہا۔ اس طرح کئی صدیوں میں تقیہ شیعی طرزِ فکر اور کردار میں سرایت کرتا گیا اور شیعی شخصیت کی تشکیل کا افسوسناک حصہ بن کر رہ گیا۔

مجھے کوئی شک نہیں کہ شیعہ معاشرے جہاں کہیں بھی ہیں ان کی فکری معاشرتی اور سیاسی پسماندگی کا اہم ترین سبب تقیہ ہی ہے کیوں کہ یہ ان کے خون میں سرایت کر گیا اور خوف و شرمندگی کے سبب یہ اپنی حقیقت ظاہر نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ ایران میں شیعہ علاقوں میں جب حکمران ٹولہ خالص شیعہ تھا ایرانی قوم بادشاہ کے ظلم و استبداد کے سامنے مذہبی فریضہ کے طور پر تقیہ پر عمل پیرا تھی اور دل میں ایسی باتیں چھپائے رکھتی ظاہر میں جن کا الٹ کرتی اس طرح اپنی طرح کی دیگر شیعی اقوام کی مثل ایرانی عوام نے بھی دوہرا کردار ادا کرنے میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔

مجھے اس امر میں کبھی شک نہیں رہا کہ شیعہ کو اسلامی جماعتوں سے دور رکھنے میں اس ملعون تقیہ کا بڑا دخل رہا ہے اس طرح اس کی وجہ سے شیعہ کو عجیب وغریب بہتانات کا نشانہ بھی بننا پڑا جن کی کوئی دلیل نہ تھی لیکن شیعوں کو تقیہ کی شہرت اور ہر معاملہ میں حقیقت چھپانے کے الزام کے سبب ان اتہامات سے دفاع کرتے وقت بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ جو بات میرے دل کو غمگین کرتی اور خون خون کرتی ہے یہ ہے کہ تقیہ شیعی فکر میں عامۃ الناس سے گزر کر اب قائدین اور مذہبی زعماء تک جا پہنچا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو ہماری اس دعوت کا سبب بنی جس کا مقصد شیعہ کو ان قیادتوں سے نجات دلانا ہے کیوں کہ جب دینی رہنما لوگوں کے ساتھ قول وعمل میں تقیہ کے نام پر دھوکہ اور فریب کی راہ پسند کریں تو عام لوگوں سے خیر کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔

اس وقت جب کہ میں یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں اور اس زمانے میں جب کہ انسانی قدم چاند کی سطح کو روند چکے ہیں اور تحریر و تفکیر کی آزادی اس قدر مقدس ہو گئی ہے کہ انسان کے ضمیر وعقیدہ (وہ اچھا ہو یا برا) کا دفاع کرنے لگی ہے شیعہ معاشرہ اپنے قائدین کی قیادت میں اپنے آپ کو تقیہ کے خول میں بند رکھے زندگی گزار رہا ہے چنانچہ وہ ظاہر پر کچھ کہتے ہیں اور باطن میں کچھ اور رکھتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب مشرق سے مغرب تک ایک بھی شیعہ زعیم رہ گیا ہے جو ان بدعات کے بارے میں اپنی رائے کا علانیہ اظہار بھی کر سکتا ہو۔ جو عوام الناس کے خوف و ہیبت سے شیعہ مذہب کے ساتھ چمٹ کر رہ گئی ہیں جنہیں شیعہ قائدین نے اس عمل کی تربیت دی تھی اور اب وہ ان کے وجود کا حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔

صرف مثال کے طور پر لیجئے۔ تیسری شہادت (اشہد ان علیا ولی اللہ) شیعہ مذہب کے علماء متفق ہیں کہ یہ ایسی بدعت ہے جس کو رسول اللہ، صحابہؓ نیز امام علیؑ اور

ائمہ شیعہ کے دور میں کوئی نہیں جانتا تھا اور سب کا اجماع ہے کہ اگر کوئی اسے شریعت میں وارد عمل سمجھ کر کرتا ہے تو اس نے حرام عمل کیا ہے اور بدعت کا مرتکب ہوا ہے اس کے باوجود کوئی زبانی یا تحریری طور پر اس امر کی طرف اشارہ کرنے کی بھی جرأت نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح ایک بھی شیعہ زعیم موجود نہیں ہے جو جمہور مسلمانوں کو شیعہ سنی اختلاف کی حقیقت صراحت کے ساتھ بتا سکتا ہو اور اسے رفع کرنے کے عمل پر آمادہ ہو۔

جیسا کہ ہم نے کہا شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان موجودہ اختلافات میں اہم ترین چیز شیعہ کا خلفاء راشدینؓ، صحابہ رسولؐ اور بعض ازواج مطہرات پر زبان طعن دراز کرنا ہے جب تک اختلافات کی فہرست سے یہ رکاوٹ دور نہ کر دی جائے فریقین کے اختلافات پوری شدت سے ابد الآباد تک جاری رہیں گے نہ اسلامی کانفرنسیں کچھ فائدہ دیں گی اور نہ گو نجدار اصلاحی باتوں کا کوئی نفع ہو گا اور نہ مصلحین کے خطبے ان کینہ و بغض کے چھپے ہوئے جوش کو ٹھنڈا کر سکیں گے جو قلوب و اذہان، کتابوں کے صفحات اور سرگوشیوں تک پھیلا ہوا ہے۔

شیعہ مذہب کے زعماء اس مقام پر بھی تقیہ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور سب و شتم اور زبان درازی کو جاہل شیعوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ امامیہ شیعہ کے علماء، فقہاء اور محدثین کی کتب میں وہ اقوال ذکر کئے گئے ہیں اور وہیں سے شیعہ عوام کے دل و زبان تک پہنچے ہیں۔ خود سوچو کہ ملامت خواص کو ہونی چاہیے یا عوام کو۔

میں نہیں سمجھتا کہ زمانہ ماضی و حال میں کسی سرکردہ شیعہ نے شیعہ کتب کو ائمہ کی طرف غلط طور پر منسوب خلفاء پر طعنہ زنی پر مبنی روایات سے اور ایسی روایات سے کہ جن کے متعلق عقل سلیم قطعی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ باطل ہیں اور ائمہ سے

ان کا صدور ممکن نہیں ہے۔ پاک کرنے کی کوشش کی ہو۔ حالانکہ شیعہ مذہب کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جن کتابوں پر وہ دین سے متعلق امور پر اعتماد کرتے ہیں ان میں باطل اور غیر صحیح روایات موجود ہیں وہ اقرار کرتے ہیں کہ کتابوں کے اندر جواہر بھی ہیں خزف ریزے بھی صحیح روایات بھی ہیں ضعیف بھی لیکن اس کے باوجود ان زعماء نے اس قسم کی روایات کی اصلاح کے لئے کوئی راستہ اختیار نہیں کیا۔

اگر شیعہ زعماء میں جرأت ہو اور انہیں اس ذمہ داری کا احساس وشعور ہو جو اختلافات ختم کرنے کے لئے ان کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے تو یہ لوگ اس طرح ذمہ داری اٹھائیں اور اس قسم کی روایات کو کتابوں کے صفحات اور شیعہ کے اذہان سے زائل کرنے کے لئے عملی قدم اٹھائیں اس سے تاریخ اسلام کا نیا باب کھل جائے اور تمام مسلمانوں تک اس کی خبر پہنچے لیکن شرعی تقیہ کے پردے میں حقیقت واقعہ سے فرار کے لئے ذمہ داری سے بھاگنا اور اسے عوام الناس کے سر تھوپنا بہت ہی افسوس کا باعث ہے۔

جب میں یہ سطور رقم کر رہا ہوں یہاں پر ہزاروں لاکھوں امامی شیعہ ہیں جو شریعت کے کاموں میں بھی تقیہ کرتے ہیں خاک کربلا (حسینی مٹی) جس پر وہ سجدہ کرتے ہیں ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں اپنی مساجد میں اس پر سجدہ کرتے ہیں لیکن دوسرے اسلامی فرقوں کی مساجد میں اسے چھپا کر رکھتے ہیں۔ ان میں بہت سے اہل سنت کی مساجد میں ان کے امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں اور جب اپنے گھر کو لوٹتے ہیں تو یہ لوگ ان روایات پر اعتماد کرتے ہوئے جو تقیہ کے متعلق ان کے ائمہ کی طرف منسوب ہیں اور جن کی بنیاد پر علماء شیعہ نے تقیہ کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے تقیہ پر عمل کرتے ہوئے نماز دہراتے ہیں۔ اس سب کچھ کی بناء پر ہم شیعہ کو ترغیب دیتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اصلاحی اقدام کی پیروی کریں۔

اصلاحی اقدام

روئے زمین پر موجود شیعہ حضرات کو چاہیے کہ تقیہ کے متعلق وہ موقف اختیار کریں جو ایسے معزز انسان کا موقف ہو جو اپنی شخصیت اور عقیدہ کا احترام کرتا ہو ان پر فرض ہے کہ غیرت اور ایسی عادات سے متصف ہوں جو اعلیٰ اخلاق میں سے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے ان نفسیاتی اثرات کا جائزہ لیں جو اس دوہرے کردار اور قول و فعل کے تضاد سے پیدا ہوتے ہیں جو سچائی کے منافی اور سچے مسلمان کے اوصاف کے برعکس ہیں جب کسی انسان میں ریاکاری اور مکاری کے اوصاف ہوں تو اس سے جو بھی کلام صادر ہوگا لازمی طور پر معقولیت سے دور ہوگا اور جمہور اور اکثریت کے عمل سے متصادم ہوگا۔

لہٰذا سچے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ظاہر یا خفیہ ایسے قول و عمل سے باز آجائے جسے اسلامی معاشرہ گوارا نہیں کرتا اور ریاکار و مکار کے طور پر خود کو پیش کرنے سے بالاتر ہو جائے۔ عام شیعوں بالخصوص ان میں سے تعلیم یافتہ لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے زعماء کا سختی سے محاسبہ کریں خصوصاً اس بات پر کہ ذاتی اغراض کی خاطر وہ انہیں خاردار راہوں میں کھینچے پھرتے ہیں۔

شیعہ کا فریضہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر لازم کردہ اخلاقی اصول ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ مسلمان فریب نہیں دیتا، مداہنت نہیں کرتا، اور صرف حق کے مطابق چلتا ہے اور صرف حق کہتا ہے خواہ خود اس کے خلاف ہو اچھا کام ہر جگہ اچھا ہوتا ہے برا کام ہر جگہ برا ہوتا ہے۔ وہ اچھی طرح جان لیں کہ انہوں نے امام صادق کی طرف یہ جو منسوب کر رکھا ہے کہ:

"تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے"

جھوٹ، افتراء اور بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

امام مہدی

آلِ محمدؐ میں سے ایک ایسے آدمی کے ظہور کا نظریہ جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا بڑا خوبصورت اور نیک امیدوں سے بھرا ہوا نظریہ ہے۔ لیکن شیعہ علماء نے امام مہدی کے نظریہ کے ساتھ دو پر بھی نتھی کر دیئے ہیں۔ یہ پر ہیں۔

(۱) کاروبار کے منافع میں سے خمس وصول کرنے کی بدعت۔

(۲) ولایت فقیہ کی بدعت۔

ان میں سے پہلی بدعت، خمس، شرعی جواز اور کسی دلیل کے بغیر ٹیکس سے عبارت ہے۔

اور دوسری کا معنی ہے انسان کا انسان کے لئے غیر مشروط طور پر بندہ و غلام بن جانا۔

(ا) اجتہاد و تقلید

(ب) خمس

(ج) ولایت فقیہ

امامیہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ جب ان کے گیارہویں امام ٢٦٠ سنہ ہجری میں فوت ہوئے تو ان کا محمد نامی ایک پانچ سالہ بیٹا تھا۔ وہی مہدیٔ منتظر ہے جب کہ بعض دوسری روایات کے مطابق مہدی اپنے والد امام حسن عسکری کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ حقیقت کچھ بھی ہو مہدی نے منصب امامت اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی تصریح کے مطابق پایا۔ وہ پورے ستر برس کی مدت تک نگاہوں سے پوشیدہ رہے۔ اس دوران شیعہ ان نمائندوں کے ذریعہ ان سے رابطہ قائم کرتے تھے۔ جنہیں خود امام نے اس مقصد کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ یہ نمائندے عثمان بن سعید العمری، ان کے بیٹے محمد بن عثمان اور حسین بن روح اور آخر میں علی بن محمد السیمری تھے۔

یہ چاروں النواب الخاص (خاص نمائندوں) کے لقب سے ملقب ہوئے اور اس مدت کو "غیبت صغریٰ کا زمانہ" کہا جاتا ہے۔

٣٢٩ سنہ ہجری میں علی بن محمد السیمری کی وفات سے چند ہی مہینے پیشتر امام کے دستخط کے ساتھ ایک رقعہ انہیں ملا۔ جس میں تحریر تھا۔

لَقَدْ وَقَعَتِ الْغَيْبَةُ الْكُبْرٰى فَلَا ظُهُوْرَ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَأْذَنَ اللهُ فَمَنِ ادَّعٰى رُؤْيَتِيْ فَهُوَ كَذَّابٌ مُفْتَرٍ۔

"غیبت واقع ہو گئی ہے اب اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد ہی ظہور ہو گا۔ لہذا جو شخص مجھے دیکھنے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا اور فریب خوردہ ہے"

یہی سال غیبت کبریٰ کا آغاز تھا اس وقت سے شیعہ کا امام کے ساتھ بلاواسطہ اور بالواسطہ رابطہ منقطع ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اس کا دعویٰ بھی کرے تو شیعہ امام مہدی کی جانب سے آنے والے آخری خط میں موجود تصریح کے بموجب اسے جھوٹا سمجھتے ہیں۔

امامیہ شیعہ کے امام مہدی کے متعلق عقیدہ کا یہ خلاصہ ہے اور شیعہ ہر سال پندرہ شعبان کو امام مہدی کی ولادت کی مناسبت سے بہت بڑا جشن مناتے ہیں صرف یہی امام ہیں جن کا شیعہ کے ہاں صرف یوم ولادت منایا جاتا ہے ورنہ دوسرے ائمہ کا یوم ولادت اور یوم وفات دونوں منائے جاتے ہیں۔

امام مہدی اور آخر زمانہ میں ایسے قائد کے ظہور کا تصور۔ جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جب کہ یہ ظلم و استبداد سے بھر چکی ہو گی۔ بہت سے ادیان میں موجود ہے۔

کتب صحاح[1] میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخر زمانہ میں آپ

(۱) ترمذی نے اپنی الجامع میں ذکر کیا ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا: لو لم يبق من الدنيا الا يوم واحد لطول الله ذلك اليوم حتى يبعث الله فيه رجلا من أهل بيتي يواطي اسمه اسمي

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے

کی اولاد میں سے مہدی کے ظہور کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں تعیین نہیں کی گئی۔ رہے شیعہ تو ان کا اعتماد ان کے آئمہ کی طرف منسوب روایات پر ہے کہ مہدیٔ منتظر جس کی خبر رسول اللہ ؐ نے دی ہے۔ امام حسن عسکری کا بیٹا ہے۔

ہم اس مقام پر دقیانوسی طرز کی بحث نہیں کرنا چاہتے اور نہ ان کے ہزاروں برس دنیا میں رہنے کی عقلی توجیہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہم شیعہ بھی دیگر اسلامی فرقوں کی طرح غیب پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ ماننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ کوئی انسان عام طبعی قوانین سے ہٹ کر ہزاروں برس زندہ رہ سکتا ہے۔

چنانچہ قرآن نے تصریح کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پچاس کم ایک ہزار سال اپنی قوم میں رہے۔ اصحابِ کہف اپنی غار میں تین سو نو برس رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور وہ اس کے ہاں زندہ ہیں۔

آئیے مل کر یہ آیات پڑھیں:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اگر دنیا کی عمر سے صرف ایک ہی دن باقی رہ گیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دے گا تا آنکہ اسمیں ایک آدمی بھیجے گا جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔ مسند احمد ابن حنبل میں نبی اکرم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لا تنقضی الایام ولا یذهب الدهر حتی یملک العرب رجل من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی سلسلہ ایام اختتام پذیر نہ ہوگا اور یہ جہان اپنی انتہا کو نہ پہنچے گا تاوقتیکہ میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی عربوں کا بادشاہ نہ بن جائے اس کا نام میرے نام جیسا ہوگا۔

سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ۲ / ۵۴۳ مصنفہ ہاشم حسینی۔

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۔" (العنکبوت ۱۴)

"اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان نے آپکڑا اور وہ ظالم تھے"

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۔" (الکہف ۲۵)

"اور اصحاب کہف اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے"

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۔ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۔

(النساء : ۱۵۷ - ۱۵۸)

اور انکے یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ
مسیح کو جو اللہ کے رسول تھے قتل کر دیا ہے اور
انہوں نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر
چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور
جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان
کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی
ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں
نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو
اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے"

مہدی کا تصور بذاتِ خود ایک اچھا نظریہ ہے کیوں کہ اس سے محض بھلائی کا اشارہ ملتا ہے اور ایک ایسی دنیا کی اُمید قائم ہوتی ہے جو خیر، فضائل اور نیکیوں سے معمور ہوگی وہی مثالی فضا جس کی دعوت افلاطون نے اپنی کتاب "جمہوریت" میں اور جس کا تصور مسلمان فلسفی فارابی نے اپنی کتاب "المدینۃ الفاضلہ" میں افلاطون کے نظریہ "مثالیت" پر اسلامی اقدار کا اضافہ کرکے پیش کیا ہے۔

اگر مہدی کے وجود کے متعلق عقیدہ اسی حد تک محدود رہتا کہ رسولؐ اللہ کی اولاد میں سے ایک امام غائب ہے جو کسی دن ظاہر ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا تو مسلمان خیر سے رہتے لیکن شدید افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جعفری مذہب کے فقہاء نے مہدی کیساتھ دو پر جوڑ دیئے ہیں۔ جن کے سبب انہوں نے مہدی کی بلند و روشن تصویر بگاڑ کر رکھ دی ہے یہ دو پر بہت بڑی بدعتیں ہیں جو شیعہ اور تشیّع کے مابین معرکہ آرائی ظہور پذیر ہونے کے زمانہ سے شیعہ مذہب کے ساتھ جوڑی گئی ہیں اور وہ دونوں قرآن کی تصریحات سیرتِ رسولؐ، امام علیؑ اور ان کے بعد

ائمہ کے طرزِ عمل سے واضح طور پر متصادم ہیں۔

پہلی بدعت کاروبار کے منافع میں خمس وصول کرنے سے عبارت ہے۔

اور دوسری بدعت مجتہدین میں "ولایت فقیہ" ہے۔

وہ مذہبی قیادت جس نے غیبت کبریٰ کے بعد شیعہ کے دینی امور اپنے ہاتھ میں لئے اور جو اس وقت سے آج تک شیعہ عقائد کی ڈور تھامے ہوئے ہے ان دونوں بدعتوں کی پشت پر تھی۔ جہاں تک خمس کا تعلق ہے تو شیعہ مذہب کے علماء کے نزدیک تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ یہ کاروبار کے منافع اور غنیمت دونوں کو ساتھ شامل ہے۔ البتہ غنیمت کی تفسیر آمدن کے منافع کے ساتھ کرنا کتب شیعہ میں غیبت کبریٰ کے ڈیڑھ صدی بعد شروع ہوا۔

رہی ولایت فقیہ تو اگرچہ بعض علماء نے اس کی مخالفت کی ہے لیکن اس کے کچھ حامی بھی ہیں تاہم ان میں متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ جیسا اختیار قاضی کو یتیم یا پاگل کے وصی (نگران) مقرر کرنے کے متعلق حاصل ہے ویسا ہی اختیار مجتہدین کو بھی حاصل ہوگا۔

امام مہدی کے ساتھ جوڑی گئی بدعات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ شیعہ کے نظریہ اجتہاد اور امام مہدی کے ساتھ ان کے تعلق کی۔ علماء مذہب کے پیش کردہ نقشے کے مطابق۔ تصویر کھینچی جائے۔

اجتہاد و تقلید

اجتہاد کا دروازہ کھولنے میں شیعہ علماء کا تمام تر اعتماد ان دو فرامین پر ہے جو "غیبت" سے پہلے امام مہدی کی جانب سے صادر ہوئے۔ دونوں کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن مفہوم میں یکساں ہیں۔ وہ فرمان درج ذیل ہیں۔

فرمانِ اول:

وأما من الفقهاء من كان صائنا

لنفسه حافظا لدينه مخالفا
لهواه مطيعا لأمر مولاه فللعوام
أن يقلدوه

فقہا میں سے جو عزت نفس کا محافظ، دین کا پابند خواہش نفس کا مخالف اور اپنے مولا و آقا کا فرمانبردار ہو تو عوام (شیعہ) کو چاہیے کہ اس کی تقلید کریں۔

فرمان دوم:

"وأما الحوادث الواقعة فارجعوا إلى رواة أحاديثنا"

"پیش آمدہ حوادث میں ہماری احادیث روایت کرنے والوں کی طرف رجوع کریں"۔

ان دو فرامین پر جن میں سے پہلا مجتہدین اور دوسرا شیعہ عوام کے بارے خاص ہے۔ شیعہ علماء اجتہاد کا دروازہ کھولنے اور فوت شدہ فقہا کی آراء پر عمل نہ کرنے کی بنیاد رکھتے ہیں اور انہیں کی بنیاد پر ان کے مجتہد عوام شیعہ پر تقلید واجب قرار دیتے ہیں۔

غیبت کبریٰ کے بعد یکے بعد دیگرے علمائے مذہب نے شیعہ کے دینی امور سنبھال لئے اور مجتہدین اور عوام۔ بالفاظ دیگر شیعہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں کے درمیان رشتہ تادم تحریر منقطع نہیں ہوا اور ایسا "اجتہاد" کا دروازہ کھولنے اور عوام پر مجتہدین کی تقلید واجب قرار دینے کی بدولت ہو سکا۔

جہاں تک دیگر اسلامی فرقوں کا تعلق ہے تو انہوں نے استنباط میں

درپیش شدید مشکلات کے پیش نظر یہ دروازہ بند رکھا۔ ماسوائے سلفیوں کے۔ کہ انہوں نے اپنے آپ پر اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا اور سلفی فقہاء ان فقہی فروع میں (جن کے متعلق نص موجود نہیں اور وہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس وغیرہ دلائل استنباط کے تحت آتی ہیں) اجتہاد کرتے ہیں۔

• البتہ شیعہ نے قیاس کی جگہ دلیل عقلی کو دیدی اور اسے استنباط کے اصولوں میں سے چوتھا اصول بنا لیا۔ عجیب ترین امر یہ ہے کہ شیعہ فقہاء خود کو عقلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ استنباط کے طریقہ میں عقل کے استعمال سے انتہائی دور ہیں۔

کاش میں جان سکوں کہ ہمارے علماء۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ فقہی مسائل کے استنباط اور شرعی احکام کے فہم میں عقل پر کیسے اعتماد کرتے ہیں جبکہ وہ اپنی کتب میں وارد اور اپنے آئمہ کی طرف منسوب روایات کو عقل کے منافی ہونے کے باوصف بلاچون وچرا صحیح باور کر لیتے ہیں۔

ہاں اگر ہم اس اعتبار سے دیکھیں کہ شیعہ کے نزدیک عقل کے استعمال سے مراد ان عقلی دلائل کا استعمال ہے جن پر شیعہ نکتۂ نظر سے اصول فقہ کی بنیاد ہے یعنی وہ علم جس کی بنیاد رکھنے اور مرتب کرنے میں شیعہ کا بڑا ہاتھ ہے اور وہ صرف اس امر سے عبارت ہے کہ شرعی احکام کو منطوق سے قطع نظر کرتے ہوئے، صرف عقلی دلائل کو استعمال کرتے ہوئے کیسے سمجھا جا سکتا ہے مثلاً ظن، قطعیت، استصحاب، تعادل، ترجیح بین الادلہ اور دیگر اصولی مباحث جنہیں علمائے اصول اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں۔

اصول فقہ بذات خود بڑا خوبصورت علم ہے۔ عقلی اعتبار سے اس کے خاص امتیازات ہیں لیکن شدید افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ فقہاء نے اس کو

مغز (اصول) کی بجائے صرف چھلکے (فروع) میں استعمال کیا ہے۔

اجتہادی نظریہ کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے دو باتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

پہلی بات میں اس خوفناک غلطی کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس میں وہ مصنفین و محققین گرفتار ہوئے جنہوں نے گزشتہ سالوں میں شیعہ کے متعلق لکھ کر کتابیں تالیف اور شائع کیں، ان مؤلفین نے شیعہ کا تعارف "اصولیہ" یا "امامیہ اصولیہ" کی حیثیت سے کرایا ہے اس نام کی تفسیر انہوں نے اس انداز سے کی کہ گویا شیعہ دوبارہ ماضی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں (یہ غلطی انہیں اس لئے لگی کہ انہوں نے "اصول" کا ترجمہ "جڑ" کیا اور سمجھ لیا کہ شیعہ عقیدہ میں جڑ اور ماضی کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں) وہ اس حقیقت تک رسائی نہیں پا سکے کہ "اصولیہ" کا معنی جڑوں کی طرف رجوع کرنے کا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیعہ امامیہ شرعی احکام میں اجتہاد کرتے وقت ان عقلی قواعد کو استعمال کرتے ہیں جن کا نام انہوں نے اصول فقہ رکھا ہے اصول فقہ میں تالیف کی گئی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں اور وہ سب کی سب ان عقلی موضوعات پر بحث کرتی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے کچھ ہی پہلے کیا ہے۔

دوسری بات شیعہ میں ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو خود کو "اخباری" کہتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو علم اصول یا زیادہ مناسب الفاظ میں عقلی دلائل کو شرعی احکام استنباط کرتے وقت استعمال نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اجتہاد کا عمل کتاب، سنت اور اجماع پر ہی پورا ہو جاتا ہے۔ شیخ حر العاملی ان کے مشہور ترین علماء میں سے ہیں جو شیعہ مراجع میں سے اہم ترین کتاب کے مؤلف ہیں۔

آیئے، ہم ایک مرتبہ پھر اس طریق اجتہاد کے تذکرے کی طرف لوٹیں جس کی

بدولت شیعہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ ہم اس مقام پر یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ اجتہاد کرنا فی نفسہ بہت اچھا کام ہے جو فکری اور معاشرتی ترقی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے چنانچہ جس طرح انسانیت خوب تر اور بہتر کی جانب رواں دواں ہے لہذا اس کا سامنا ایسے جدید امور و معاملات سے ہوتا ہے جن میں جدید قانون کی ضرورت ہے اور جو پہلے سے موجود فقہی مباحث میں مذکور نہیں ہیں اجتہادی عمل جب بنیادی عقائد سے متصادم نہ ہو تو شرعی قوانین کے استنباط کو آسان بنا دیتا ہے۔ جب معاشرہ متحرک ہو تو ضروری ہے کہ اجتماعی قوانین بھی اس کے ساتھ ساتھ متحرک رہیں جب کہ کتاب و سنت اور اجماع سے متصادم نہ ہوں۔

اگر شیعہ کے علماء مذہب جعفری کے فقہاء کی طرح اجتہادی راستہ پر گامزن رہ کر مسلمانوں کے تمام فقہاء کی طرح۔ جنہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر رکھا ہے اور اپنے اس عمل کے بدلے میں اجرت نہیں لیتے اور نہ کوئی مادی مفاد یا قدر دانی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کو بیان کرتے رہتے تو شیعہ بھی جادہ حق پر رہتے اور امتِ اسلامیہ بہترین حالت میں ہوتی لیکن سخت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے فقہاء نے عقیدہ کی بناد پر یا جہالت کے سبب یا ضرورت کی وجہ سے اجتہادی عمل پر دو صریح بدعتوں کا اضافہ کر کے اخلاص اور للہیت کا ہر نقش بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ وہ دونوں بدعتیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا، پھڑ پھڑاتے ہوئے دو پرچم ہیں جو رہتی دنیا تک شیعہ کے سروں پر رہیں گے۔

(۱) آمدن میں سے خمس

(۲) ولایت فقیہ

خمس

آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ (۱)

" اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) غنیمت کے طور پر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اہلِ قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے "

فضل بن حسن طبرسی جو چھٹی صدی ہجری میں امامیہ کے اکابر علماء میں سے ہیں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

" خمس کی تقسیم کی کیفیت کیا ہو گی ؟ کون اس کا مستحق ہے ؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور کئی اقوال ہیں ان میں سے ایک جو ہمارے اصحاب کا مذہب ہے۔ یہ ہے کہ خمس کو چھ حصّوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ اللہ کا، ایک رسولؐ کا یہ دونوں حصے ذوی القربیٰ کے حصّے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام امام کو ملیں گے۔ ایک حصہ آلِ محمدؐ کے یتیموں کا، ایک حصہ ان کے محتاجوں کا اور ایک حصہ ان کے مسافروں کا ہو گا۔ اس میں ان

(۱) الأنفال (۴۱)

(آلِ محمدؐ) کے سوا کوئی بھی ان کا حصہ دار نہیں ہو گا
کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کو لوگوں کی میل ہونے
کی وجہ سے ان پر حرام کر دیا ہے اور اس کے عوض انہیں
خمس عطا فرما دیا ہے ..... ہمارے اصحاب کہتے ہیں
کہ خمس — انسان کو حاصل ہونے والی ہر کمائی تجارت
کے منافع۔ نیز خزانوں، معدنیات غوطہ خوروں کی
آمدن وغیرہ۔ جو کتابوں میں مذکور ہے — سے حاصل
ہونے والے فائدہ پر واجب ہے اور اس پر مذکورہ
بالا آیت سے استدلال کرنا ممکن ہے" (۱)

غنیمت کی تفسیر منافع کے ساتھ کرنا ان امور میں سے ہے جنہیں ہم شیعہ کے سوا کہیں نہیں پاتے چنانچہ آیت دو ٹوک اور واضح ہے کہ خمس جنگ کی غنیمت میں مقرر ہے نہ کہ کاروبار کے منافع میں۔

کاروبار کے منافع میں خمس کے واجب نہ ہونے کی سب سے واضح اور قطعی دلیل نبی کریم (ص) اور آپؐ کے بعد امام علیؓ سمیت خلفاء نیز آئمہ شیعہ کی سیرت ہے چنانچہ ارباب سیر نے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھی اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر چھوٹی بڑی بات نیز آپؐ کے اوامر ونواہی کو مدوّن کیا — یہ بات ذکر نہیں کی کہ آپؐ نے مدینہ کے بازاروں میں خمس اکٹھا کرنے والے بھیجے ہوں جب کہ ارباب سیر ان اشخاص کے نام تک لکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ مسلمانوں کے مالوں میں سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے ارسال فرماتے تھے۔

(۱) طبرسی۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن ج ۴ – ص ۵۴۳

اسی طرح حضرت علیؓ سمیت خلفائے راشدین کے سیرت نگاروں نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ ان میں سے کسی نے منافع میں سے خمس کا مطالبہ کیا ہو یا انہوں نے خمس اکٹھا کرنے کے لئے محصّلین ارسال کئے ہوں۔

امام علیؓ کی کوفہ کی زندگی معروف ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کوفہ کے بازاروں میں تحصیلدار بھیجے ہوں کہ لوگوں سے خمس وصول کریں یا انہوں نے اپنے زیر امارت وسیع اسلامی خطوں کے دور دراز مقامات میں اپنے عملداروں کو حکم دیا ہو کہ لوگوں سے خمس وصول کرکے کوفہ میں بیت المال کی طرف ارسال کردیں۔ اسی طرح ائمہ کے سوانح حیات مرتب کرنیوالوں نے بھی کبھی یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ لوگوں سے خمس کا مطالبہ کرتے تھے یا اس نام سے کسی نے ان کی خدمت میں مال پیش کیا تھا جیسا کہ ہم نے پیچھے پہلے کہا۔ یہ بدعت شیعہ معاشرہ میں پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں ظاہر ہوئی چنانچہ غیبت کبریٰ سے لیکر پانچویں صدی کے اواخر تک شیعہ کی فقہی کتابوں میں خمس کا باب [illegible] اس امر کی طرف اشارہ نہیں ملتے کہ خمس غنیمت اور منافع دونوں کو ایک ساتھ شامل ہے یہ دیکھیے محمد بن حسن طوسی۔ جو پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اکابر شیعہ فقہاء میں سے ہیں انہیں نجف کے "حوزہ دینیہ" کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ نے اپنی مشہور فقہی کتابوں میں اس موضوع کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا حالانکہ انہوں نے کوئی ایسا چھوٹا بڑا فقہی مسئلہ نہیں چھوڑا جسے اپنی ضخیم کتابوں میں ذکر نہ کردیا ہو۔ یہ غلط طریقہ ایسے زمانے میں ایجاد کیا گیا جب عباسی خلافت تھی اور حکمران قوت اہل بیت کے مذہب کی شرعی حیثیت تسلیم نہیں کرتی تھی۔ نتیجتہً وہ ان کے فقہاء کو بھی نہیں مانتی تھی کہ ان کے لئے وظائف مقرر کردیتی جن پر وہ گزراوقات کرلیتے جیسا کہ دوسرے مذاہب کے فقہاء کے بارے میں ان کا رویہ تھا اور اس زمانہ تک شیعہ مذہبی طور پر متحد نہ تھے کہ اپنے فقہاء کی کفالت کرسکتے لہذا غنیمت کی تفسیر منافع کے ساتھ کرنا ان مالی مشکلات

کے علاج کی بہتر ضمانت دے سکتا تھا جو اس وقت شیعہ فقہاء اور شیعہ کے دینی علوم کے طلبہ کی زندگی کو اجیرن کئے ہوئے تھیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ شیعہ نے اپنے فقہاء اور طلبہ علم کی مالی اعانت کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ عراق میں جو کہ شیعہ کا پہلا ٹھکانہ ہے۔ آج تک وہ زمینیں اور جائیدادیں موجود ہیں جو شیعہ کے خیراتی کاموں کے لئے وقف کی گئی تھیں۔

اس بدعت کی بنیاد رکھے جانے کے بعد اس میں کئی سخت احکامات کا اضافہ کیا گیا تاکہ شیعہ اسے مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس پر عمل پیرا رہیں اور شیعہ کو خمس کی ادائیگی پر آمادہ کرنا بھی ضروری تھا جب کہ یہ ایسا کام تھا کہ دھمکی کے بغیر کوئی شخص اس پر آمادہ نہیں ہوتا چنانچہ کسی زمانے اور کسی علاقے میں خواہ کتنی ہی آزادی، ترقی یا جمہوریت ہو ٹیکس کا نفاذ عوام کی جانب سے بیزاری کا نشانہ بنتا ہے۔ شیعہ کے پاس حکمران طاقت تو تھی نہیں کہ لوگوں کو اپنی آمدن میں سے رضا و خوشی خمس ادا کرنے پر راغب کر سکیں اس لئے انہوں نے اس کے ساتھ ایسے سخت احکام کا اضافہ کیا جن میں امام کا حق (خمس) ادا نہ کرنے والے کا ابدی جہنمی ہونا اور ایسے شخص کے گھر نماز نہ پڑھنا جس نے اپنے مال میں سے خمس ادا نہ کیا ہو یا اس کے دسترخوان پر نہ بیٹھنا وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح شیعہ فقہاء نے فتویٰ دیا کہ منافع میں سے خمس امام غائب کا حق ہے (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اس کا ان فقیہوں اور مجتہدوں کے سپرد کرنا ضروری ہے جو امام کی نمائندگی کرتے ہیں اس طریقے سے اس بدعت نے شیعہ معاشرہ میں فروغ پایا جو ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں شیعوں کے اموال کی فصل کاٹتی رہتی ہے۔ بہت سے شیعہ آج بھی یہ ٹیکس اپنے روحانی پیشواء کو ادا کرتے ہیں اور اس طرح کہ وہ غریب اپنے پیشوا کے حضور عاجزی کے ساتھ بیٹھتا ہے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اس کا ہاتھ چومتا ہے اور پھر بہت شاداں و فرحاں ہوتا ہے کہ اس کے پیشوا نے اس پر بڑی

عنایت فرمائی ہے ۔ اور امام غائب کا حق اس کی جانب سے قبول کر لیا ہے ۔ بعض شیعہ فقہاء نے ۔ جن میں فقیہ احمد اردبیلی شامل ہیں جو اپنے زمانہ کے سربرآوردہ فقہاء میں سے تھے حتیٰ کہ انہیں مقدس اردبیلی کا لقب دیا گیا ۔ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں خمس میں تصرف کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا اسی طرح بعض شیعہ فقہاء (جو تعداد میں بہت ہی کم ہیں) نے امام مہدی سے مروی اس قول کی بناء پر کہ ۔ "ہم نے اپنے شیعان کو خمس معاف کر دیا ہے" شیعہ سے خمس ساقط قرار دیا ہے ۔ البتہ شیعہ فقہاء کی اکثریت نے اقلیت کی آراء کو دیوار کے ساتھ دے مارا اور آپس میں خمس نکالنے کے واجب ہونے پر اتفاق کر لیا ۔

کاش شیعہ فقہاء اور مجتہدین شیعہ کے اموال سے بالاتر رہتے اور اس ذریعہ اختیار کر کے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے شیعہ عوام کے دست نگر بننا پسند نہ کرتے ۔ بعض شیعہ علماء شیعہ (عوام) کے اموال میں سے خمس وصول کرنے کا یہ کہہ کر دفاع کرتے ہیں کہ "یہ اموال دینی مدارس، علمی اداروں اور دیگر مذہبی امور پر خرچ کئے جاتے ہیں" ۔ لیکن سوال یہ نہیں ہے کہ یہ اموال کہاں اور کیوں خرچ کئے جاتے ہیں بلکہ بحث اصولی، واقعی اور مذہبی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ اموال جھوٹے اور غلط طریقے سے لوگوں سے ہتھیائے جاتے ہیں گو انہیں فی سبیل اللہ صرف کیا جائے لیکن یہ غیر شرعی ہیں ان میں تصرف ناجائز ہے ۔

شیعہ فقہاء خود کفالت پر بھی اپنی شخصیت کی بنیاد رکھ سکتے تھے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ فقہاء دوسرے پیشہ وروں کی طرح اپنے آپ پر اعتماد کرتے اسی طرح وہ علم اور علماء کی ترقی کے لئے لوگوں سے مال بھی لے سکتے تھے لیکن انہیں چاہیے تھا کہ مالی تعاون ہبہ اور عطیہ کے نام سے لیتے نہ کہ شرعی فریضہ یا آسمانی حکم کے نام سے ۔ اس وقت جب یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں میں شیعہ کے مجتہدوں میں سے ایک ایسے مجتہد کو جانتا ہوں جو ابھی بقید حیات ہے اس نے خمس کے ذریعہ اس قدر مال ذخیرہ کر رکھا ہے کہ ماضی کے قارون

یا دورِ حاضر کے قارونوں کا ساتھی بنانے کے لئے کافی ہے ایران میں ایک ایسا مجتہد تھا جو چند سال ہوئے قتل ہو گیا ہے اس نے لوگوں سے خواہی نخواہی خمس اور شرعی حقوق کے نام پر اتنی دولت جمع کر لی تھی جو دو کروڑ ڈالر کے برابر بنتی تھی اور بڑی مشکلات اور کئی مقدمات کے بعد ایرانی حکومت اسے اپنے قبضہ میں لینے میں کامیاب ہو سکی کہ مبادا اسے مجتہد کے وارث آپس میں تقسیم کر لیں۔

یہ دل فگار تصویر ہے بدعت خمس کے اثرات کی جسے شیعہ فقہا نے ترویج دی کیا اس میں شک نہیں کہ شیعہ کی مذہبی قیادت کبھی ختم نہ ہونے والے اس خزانے کی بدولت دیگر قوتوں سے الگ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہی جب تک شیعہ کی مذہبی قیادت کسی بھی جگہ اور کسی بھی دور میں خود کو عام لوگوں کے کاروبار کے منافع میں شریک سمجھتی رہے گی۔ شیعہ معاشرہ میں فکری استحکام کے لئے کوئی راہ نہیں ہو گی اور اس کا سبب واضح اور معروف ہے کہ یہ قیادت ان ضخیم خزانوں کی بدولت کہ جن کے حصول کے لئے انہیں ملازمین اور تحصیلداروں کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اخلاص کے ساتھ راضی خوشی اس کے پاس پہنچ آتے ہیں وہ اس قابل ہو سکی کہ شیعہ قیادت کو سیاست کا ایسا مرکز بنا ڈالیں جو شیعہ کو جس طرف چاہے لے جا سکے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اس قیادت نے شیعہ کو تاریخ کے ہر دور میں اپنے سیاسی اور اجتماعی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔

ایران کے شیعہ علاقہ میں شیعہ اور ان کے قائدین کے اس تعلق کے نتیجے میں وہ برے اثرات رونما ہوئے جو حد و حساب سے فزوں تر ہیں۔ جب خمس کی بدعت کے ساتھ ولایت فقیہ کی بدعت بھی مل گئی تو حالات اس آخری حد تک بگڑ گئے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ولایت فقیہ پر تفصیل سے بحث کرنے سے پہلے۔ تاریخ کے بیان میں امانت اور اپنے پیغام میں اخلاص کا ثبوت دینے کے لئے۔ ہم اس مقام پر یہ اضافہ

کرنا چاہتے ہیں کہ بلا شبہ بعض شیعہ قائدین نے فکرِ اسلامی کی خدمت انجام دی ہے اور کئی مرتبہ حکام کے استبداد یا استعمار کے خلاف جنگ میں ملکی مفادات کی خدمت کی ہے لیکن جب ہم ان لوگوں کے اپنے اثر و رسوخ کے عام مفاد کے لئے استعمال اور اکثریت کے اپنے اثر و رسوخ کو ذاتی مفاد کیلئے استعمال کا موازنہ کرتے ہیں اور ان کو ترازو میں رکھتے ہیں تو واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ ذاتی مفادات کا پلڑا عام مفادات پر کچھ اس طرح بھاری ہے کہ آدمی ورطۂ حیرت میں گم اور غم و اندوہ میں غرق ہو کر رہ جاتا ہے۔

ولایتِ فقیہ

ولایت فقیہ دوسرا بڑا یا دوسری بدعت ہے جس کا اضافہ ان لوگوں کے تسلط کے زیرِ اثر کیا گیا جو زمانہ غیبت کبریٰ میں امام مہدی کی نیابت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ نظریہ دقیق ترمعنی میں حلولی نظریہ ہے جو اسلامی فکر میں مسیحی اندازِ فکر کی طرف سے آیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے مسیح کی شکل میں اور مسیح کے فقیہ اعظم کی شکل میں ظاہر ہونے کا قائل ہے۔ تفتیشی عدالتوں کے زمانہ میں اسپین، اٹلی اور فرانس کے ایک حصہ میں پاپائے روم بے پایاں خدائی اختیارات کے نام سے فیصلے کرتا اور پھانسی پر لٹکانے، زندہ جلانے اور قید کرنے کی سزائیں سناتا، اس کے "گارڈ" پر امن گھروں میں شب و روز داخل ہوتے اور ان کے مکینوں کے ساتھ اور مفسدانہ سلوک کرتے۔ غیبت کبریٰ کے بعد یہی بدعت شیعی طرزِ فکر میں شامل ہو گئی اس نظریہ نے اس وقت مذہب کا رنگ اختیار کر لیا جب شیعہ علماء نے امامت کے متعلق زیادہ زور دینا شروع کیا اور یہ کہنے لگے کہ یہ الٰہی منصب ہے جو رسول کے نائب کے طور پر امام کے سپرد کیا گیا ہے اور یہ کہ امام زندہ لیکن نظروں سے غائب ہے تاہم غائب ہونے کے سبب اس کے وہ اختیارات مفقود نہیں ہوئے جو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاصل تھے اور یہ اختیارات اس کے نائبین کی طرف منتقل ہو گئے ہیں کیونکہ نائب ہر معاملہ میں اس کی نمائندگی کرتا

ہے جس کا وہ نائب ہو۔

اس طرح شیعی افکار کے بڑے حصہ کا احاطہ ولایتِ فقیہ نے کرلیا۔ لیکن ان میں سے بہت سوں نے سابق الذکر معنی میں "ولایت" کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد بارہ اماموں کے ساتھ خاص ہے اور امام کے نائبین کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ فقیہ کی ولایت قاضی سے بڑھ کر نہیں ہوتی جو ایسے اوقاف کے لئے امین مقرر کرسکتا ہے جس کا کوئی متولی نہ ہو یا پاگل اور عاجز کا نگران مقرر کرنے کا اختیار رکھتا ہے

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ "ولایت فقیہ" کا نظریہ عالم خیال سے عملی دائرہ کار میں آنے کا موقع نہیں پاسکا۔ یہ موقع اسے صرف اس وقت ملا جب ایران میں شاہ اسماعیل صفوی نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ یہ وہی زمانہ ہے جسے ہم نے شیعہ اور تشیّع کے درمیان معرکہ آرائی کا عہد قرار دیا ہے۔

شاہ اسماعیل ایک صوفی خاندان میں پیدا ہوا جس کا مستقر اردبیل شہر تھا۔ جو ایران کے شمال مغرب میں واقع ہے اس کے آباء و اجداد صوفی تحریک کے مرکز رہے جس کا شعار علیؓ اور ان کے اہلِ بیت کی محبت تھا اور ترکی آذربیجان میں اس کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔ ۹۰۶ھ ہجری میں شاہ اسماعیل نے قوت حاصل کرلی اور ایرانیوں اور عثمانیوں کے درمیان جنگوں کے بعد جنہوں نے ایران کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ ایران کا بادشاہ بن بیٹھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ اسماعیل۔ جس کی باقاعدہ تاج پوشی ہوئی تو وہ صرف تیرہ برس کا تھا۔ کی پشت پر صوفی قیادت کارفرما تھی جو نوجوان بادشاہ کو اپنے مقاصد کے مطابق استعمال کررہے تھے اور جب شاہ اسماعیل نے اقتدار پر قبضہ کیا تو ایران، قم، قاشان اور نیشاپور جیسے چند شہروں کے سوا شیعہ کا وجود نہ تھا۔ شاہ نے شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دینے کا اعلان کیا۔ صوفیوں کے جلوس ایرانی شہروں کے درمیان علیؓ اور اہلِ بیت کی مدح پر مشتمل اشعار و قصائد پڑھتے ہوئے آنے جانے لگے

یہ لوگ عامۃ الناس کو شیعہ مذہب میں داخل ہونے کی ترغیب دیتے شاہ اسماعیل نے شیعہ مذہب اختیار کر لینے کا اعلان نہ کرنے والوں کی گردنیں تلوار سے اڑا دیں۔

اس مقام پر ایک لطیفہ بھی ہم ذکر کر دیں۔ اصفہان کے شہری خارجی تھے جب ان تک شاہ کا شیعیت قبول کر لینے یا ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم پہنچا تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں چالیس روز کی مہلت دی جائے تاکہ اس دوران وہ امام علیؑ کو زیادہ سے زیادہ سب وشتم کر سکیں بعد ازاں وہ نئے مذہب میں داخل ہو جائیں گے چنانچہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق مہلت دی گئی۔ اسطرح اصفہان بھی دوسرے شیعہ شہروں کی صف میں شامل ہو گیا۔

باوجودیکہ شاہ اسماعیل بذات خود اپنی پرورش اور صوفیانہ مقام کے اعتبار سے شیعہ ہی تھا لیکن ایران کو خالص شیعی رنگ میں رنگنا نئی حکومت کا دردسر تھا۔ عثمانیوں کے ساتھ جنگیں اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے علاقائی جنگیں تھیں جن کی جڑیں قدیم تھیں مگر اس سلسلہ کا جاری رہنا مسلمان کی مسلمان کیساتھ جنگ حرام ہونے کے نظریہ سے متصادم تھا اور مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا ایسا معاملہ تھا کہ ایران کے اندر اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ عثمانی خلافت کے ساتھ منسلک رہنا اور خلیفہ کا مطیع فرمان رہنا جسے امیر المومنین کا لقب دیا جاتا تھا۔ ایسا معاملہ تھا جس کے حامی موجود تھے لیکن شاہ اسماعیل کے ایرانی قوم کو سکھائے ہوئے نئے دین نے ایرانیوں میں شدید تعصب پیدا کر دیا اور عثمانی خلیفہ کی ایران کو خلافت عثمانیہ میں شامل رکھنے کی تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور اس وقت جب کہ شاہ خود کو صوفیوں کا مدار و محور سمجھے ہوئے تھا۔ شیعوں نے ایسی شان و شوکت حاصل کر لی جس کی مثال نہیں ملتی تھی مگر اس نے بھی ولایت فقیہ کا سہارا لیا۔ جبل عامل (لبنان) میں شیعہ کے سب سے بڑے عالم علی بن عبدالعال کرکی عاملی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی سیاست اور بادشاہت کو استحکام دے اور اسے شاہی تخت پر بیٹھ کر ولایت

عامہ کے نام سے حکومت کرنے کی اجازت دے جو کہ" فقیہ" کے اختیارات میں سے ہے۔ کتب تاریخ میں آج تک وہ تصریحات محفوظ چلی آتی ہیں جن میں کرکی نے شاہ کو اجازت دی تھی شاہ کا حکومت میں ہوتے ہوئے اپنے نظام حکومت کو سہارا دینے کے لئے جبل عامل (لبنان) میں رہنے والے ایک شیعہ عالم کی طرف رجوع کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شیعہ کی مذہبی قیادت کا مستقر اس وقت جبل عامل تھا جو عراق کے بعد شیعوں کا دوسرا بڑا گڑھ ہے۔ اس لئے جب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ اسماعیل کے پوتے شاہ عباس نے بہت بڑے شیعہ عالم شیخ بہاؤالدین سے درخواست کی کہ وہ جبل عامل چھوڑ کر اس کے دارالحکومت اصفہان چلے آئیں تاکہ وہ اس کی حکومت کا باقاعدہ مرکز بن جائے اور اسے شیخ الاسلام کے لقب سے بھی نوازا تو ہمیں کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

اس سب کچھ سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ولایتِ فقیہ کا نظریہ شیعی طرز فکر میں موجود تھا اور اسی پر اسلامی خلافت یا کسی بھی حکومت کے غیر قانونی ہونے کا نظریہ مبنی تھا۔ تاوقتیکہ وہ فقیہ اسکی اجازت نہ دے اور برکت کی دعا نہ کرے جو زندہ، نائب اور مامور من اللہ امام کی نمائندگی کرتا ہے۔

شاہ اسماعیل صفوی کے ایرانیوں کو شیعہ مذہب میں داخل کرنے کے وقت سے کر تا دم تحریر شیعہ مذہبی قیادت کا ایران میں گہرا اثر و رسوخ ہے اور اسے حکام اور ملوک کی جانب سے بڑا احترام حاصل رہا ہے باوجودیکہ مذہبی قائدین اور سیاسی زعماء کے درمیان بہترین تعلقات قائم رہے۔ تاہم بعض اوقات ان دونوں قیادتوں کے مابین رسہ کشی شروع ہو جاتی جو کسی ایک کے دوسرے پر غالب آنے کے بعد ہی ختم ہوتی۔

جب سے شاہ اسماعیل ولایتِ فقیہ کے منصب کو شاہ کے اپنے مقام سمیت تمام مناصب سے بلند تر باور کرانے میں کامیاب ہوا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی شیعہ فقیہ نے خود کو براہِ راست حکومت کے لئے پیش کیا ہو۔ ولایتِ فقیہ کا نظریہ جس مفہوم

اور عملی شکل میں ہمارے زمانہ میں سامنے آیا ہے یہ تو فقہاء کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی چنانچہ ایران میں فقہاء نے "ولایتِ فقیہ" کا حق کسی حاکم کی مخالفت کی صورت میں اس کے سامنے آجانے یا دشمنوں کے بالمقابل اپنے بادشاہ کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جانے سے زیادہ کبھی استعمال نہیں کیا۔

دو صدیوں سے کم عرصہ قبل جب شاہ علی قاچار نے قیصر سے اس کی سرزمین کے اندر جا کر جنگ کرنا چاہی تو روسیوں کے ساتھ جنگ میں شیعہ مجتہدوں کے سردار سید محمد طباطبائی جن کا لقب المجاہد تھا۔ شاہ اور اس کے جرنیلوں کے لشکر کے آگے آگے تھے اور جب ایران نے اس جنگ میں ذلت آمیز پسپائی اختیار کی اور شاہ سترہ بڑے ایرانی شہروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناقابلِ واپسی مان کر دستبردار ہو گیا اور شکست خوردہ لشکر ایران واپس آیا۔ المجاہد بھی اس کے ساتھ تھا، چنانچہ ایرانیوں نے رسوا کن شرمناک نعروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور سید المجاہد اور ان کے حواریوں کے سروں پر مُردہ جانوروں اور کوڑے کرکٹ کی بارش کر دی تاکہ اپنے مذہبی قائد کے موقف کے برخلاف غم و غصہ کا اظہار کر سکیں جس نے ایران کو ہلاکت اور ناقابلِ فراموش مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔

ہمارے زمانہ کی تاریخ میں جو کہ شیعہ اور تشیع کے درمیان معرکہ آرائی کا دور ہے ولایتِ فقیہ شیعہ ممالک میں حوادث کے اسٹیج پر خونخوار اور تند و تیز صورت میں ظاہر ہو رہی ہے جس نے تمام انسانی اور اسلامی اقدار کو یک قلم مٹانا شروع کر دیا ہے اس نظریہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان پھوٹ پڑنے والا اختلاف جس نے خوفناک معرکہ آرائی کی صورت اختیار کر لی ہے نیز حکمران فقہاء کا جبر و تشدد جس کا نشانہ حکومت سے باہر رہنے والے فقہاء کو بنایا گیا۔ شاید اندوہناک ترین اختلافات میں سے سب جن کی ذمہ داری ولایتِ فقیہ کے سر پر ہے۔

باوجودیکہ ہم اپنی اس تفصیلی کتاب میں افراد کا نام لینا اور ان کے نام گنوانا نہیں چاہتے تاکہ ہم غیر جانبداری کھو نہ بیٹھیں جو ہر ایسے پیغام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے جو للّٰہیت کے جذبہ کے تحت دیا جا رہا ہو۔ تاہم جن واقعات کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں وہ اس قدر واضح ہیں کہ شیعی دنیا میں رونما ہونیوالے حوادث سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص انہیں جانتا ہے اس لئے کہ ان واقعات کے وہ عینی شاہد ہیں اس لئے ہمیں کامل اعتماد ہے کہ ان شیعہ حضرات میں جن کے لئے ہم نے یہ کتاب تالیف کی ہے ایک بھی ایسا فرد نہیں ہے جو ہم سے اس فصل میں مذکور مضمون کے متعلق شخصیات کے ناموں یا حوالوں کے ساتھ ثبوت پیش کرنے کا مطالبہ کرے کہ "ولایت فقیہ" کے حوادث اور اس کے ساتھ پیش آنے والے امور جو ایران اور دوسرے شیعی معاشروں میں رونما ہوئے آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہیں۔

اب میں ولایتِ فقیہ پر ایک ساتھ نظریاتی اور عملی نکتہ نظر سے بحث کی طرف آتا ہوں۔ شیعہ فقہاء کے نزدیک اس نظریہ کی بنیاد اس آیت کریمہ پر ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ"

(النساء ۵۹)

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی"

شیعہ علماء کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں اولی الامر سے مراد خلیفہ یا امام شرعی۔ یعنی امام علیؓ اور ان کے بعد امام مہدی تک ان کی اولاد۔ مراد ہے اور امام کی غیبت میں یہ ولایت فقہاء و مجتہدین کو حاصل ہو گی جو امام کے قائم مقام اور عمومی نائب ہیں۔

اس تفسیر کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہے کیوں کہ سب سے پہلے تو ولایت فقیہ کا نظریہ قرآن میں وارد نص صریح کے خلاف ہے جس میں واضح اور دو ٹوک عبارت کے ساتھ فقہاء کے اختیارات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ نظریۂ ولایت فقیہ کے ابطال میں تفصیل کے ساتھ لکھنے والے تمام علماء نے اس بنیادی نکتہ کو ذکر ہی نہیں کیا جو ولایت فقیہ کے نظریہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیتا ہے اور ہمیشہ کے لئے مٹا ڈالتا ہے۔ وہ آیت جو نظریہ ولایت فقیہ کا بودا پن ظاہر کرتی ہے اور فقیہ کے اختیارات کی حد بصراحت بیان کرتی ہے درج ذیل ہے۔

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ"

(التوبۃ ۱۲۲)

"تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے (فقیہ بنتے) اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے"

یہ آیت صراحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ فقیہ کا فریضہ صرف تبلیغ اور دینی امور میں رہنمائی کرنا ہے اس میں فقیہ کی "ولایت" یا اس کی اطاعت فرض ہونے کے متعلق اشارہ تک نہیں ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ آیت علماء و محققین پر کیوں کر مخفی رہی جب کہ عام مسلمانوں کی طرح شیعہ کا بھی اجماع ہے کہ نص کی موجودگی میں اجتہاد کرنا

روا نہیں ہے لہٰذا ولایتِ فقیہ کا نظریہ کتاب اللہ کی نص کے ساتھ متعارض ہے اور جو امر نص الٰہی سے متصادم ہو اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ آیئے ایک مرتبہ پھر آیت کریمہ کی طرف۔

یَآ أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِیْعُوا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوا
الرَّسُوْلَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ
تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ
وَالرَّسُوْلِ "

(النساء : ۵۹)

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری
کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی
اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اللہ اور
اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو"

سیاق و سباق سے کاٹے اور اپنی مرضی کے مطابق حصے بخرے کئے بغیر جو شخص بھی یہ آیت پڑھے گا علم یقین کی حد تک جان لے گا کہ اُولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مختلف ہے یہ اطاعت ہر عہد کے مزاج کے مطابق حاکم کو عطا کئے گئے اختیارات کے دائرہ تک محدود ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف رونما ہونے کی صورت میں اس کے اختیارات سلب کر لئے گئے ہیں جیسا کہ آیت نے تصریح کی ہے مزید برآں آیت اس امر میں بھی واضح اور صریح ہے کہ یہ حکم ان افراد کے متعلق نازل ہوا تھا جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں مسلمانوں کے معاملات میں والی کے طور پر اپنا نائب بنا کر بھیجتے تھے۔ لہٰذا مذکورہ آیت نبی اکرم (ص) کے زمانے

متعلق نازل ہوئی۔ آپؐ کے عہد کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں اشارہ عام نہیں خاص ہے۔

تاہم اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آیت عام ہے اور عہدِ رسول کے بعد آنیوالے حکام کو بھی شامل ہے تو پھر بھی یہ آیت واضح ہے کہ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات میں ان پر اپنے حکام کی اطاعت فرض نہیں ہے یہیں سے "اولی الامرؑ" کے اختیارات کا محدود ہونا نیز انہیں "ولایت عامۃ یا غیر محدود ولایت" حاصل نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کاش میں جان سکوں کہ اس آیت کو "ولایت فقیہ" اور مسلمانوں کے سیاسی، معاشی، دفاعی اور اجتماعی امور میں حکومت چلانے کا اختیار فقیہ کے سپرد کر دینے پر استدلال کرنے والوں نے اپنی دلیل کیوں کر بنا لیا؟ لہٰذا جب اولو الامر کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ مسلمانوں کے متنازع امور میں دخل دے۔ جیسا کہ کتاب اللہ نے تصریح کی کہ مبادا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام کو ذریعہ بنا کر اسلامی معاشرہ میں اپنی خواہشات و عقائد کے مطابق بغیر مشورہ کے حکم چلاتا پھرے تو کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ "اولی الامرؑ" کے نائب کو وہ حقوق حاصل ہیں جو بذاتِ خود اس شخص کو بھی حاصل نہیں ہیں جس کی نیابت یہ کر رہا ہے۔

ایران میں۔ جو دورِ حاضر کی تاریخ میں ولایت فقیہ کا گڑھ ہے ہم شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی کا تیسرا دور کہتے ہیں۔ ولایت فقیہ نے جدید ایرانی دستور میں اہم ترین سیاسی مناصب اور صدارت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اسی طرح ملک میں مطلق العنان حکومت بھی مسلط کر دی ہے تاہم اس سب کچھ کے باوجود دستور کے محافظ، اسے وضع کرنے والے اور اس کی وکالت کرنے والے فقہی نظریہ اور عمل تطبیق میں پیدا ہونے والے واضح تضادات کا حل تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے یہی وجہ ہے کہ یہ نظریہ اپنی پشت پر موجود بے پناہ مادی قوت کے باوجود شیعہ قوم کی نظروں میں بے بنیاد، مضطرب، کمزور اور رکیک ثابت ہوا ہے۔

شاید ان اختلافات اور واضح ترین تضادات میں سے پہلا اختلاف و تضاد

جس کے متعلق ہر جگہ ایک دوسرے سے استفسار بھی کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ ولایت فقیہ دینی منصب ہے یا سیاسی عہدہ؟ اگر یہ دینی منصب ہو تو انتخاب کا مرہون منت نہیں ہو سکتا اسے سلب نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں درجہ بندی نہیں ہو سکتی کیوں کہ جو شخص بھی فقاہت کے مرتبہ کو پہنچ جائے اسے "ولایت" حاصل ہوگی "معصومیت" اسے شامل ہوگی اور تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت بجالانا اور اس کی ولایت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا واجب ہوگا اور اگر ولایت فقیہ سیاسی عہدہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے دین و مذہب کے ساتھ مربوط کیوں کر دیا گیا؟ اور اسے عقیدہ اور صاحب ولایت کی اطاعت دینی فریضہ قرار دینے کے لبادہ میں کیوں ظاہر کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک انسان عملی نکتہ نگاہ سے ولایت فقیہ کا تصور کیوں کر کر سکتا ہے جب کہ "فقہاء" ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی مختلف آراء رکھتے ہوں۔ بہ خود سوچو مسلمانوں پر کس فقیہ کی بات سننا اور ماننا واجب ہوگا اور عوام باہم متضاد اور متناقض اقوال کو جمع کیسے کریں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے قانون کو اسلام کی طرف منسوب کرنا اس دین قیم کی توہین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانی اقدار کی سربلندی کے لئے بھیجا ہے۔

ولایت فقیہ کا نظریہ ایران سے تجاوز کر کے دوسرے شیعہ علاقوں میں پہنچنا شروع ہو گیا ہے اور شیعہ عوام کو آندھی کی طرح اٹھا رہا ہے جیسے کہ انہیں ایران میں ابھارا تھا۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ شیعہ میں ہر مقام پر یہ مصیبت عام ہو جائے گی اور شیعہ کو اس طرح ہلا کر رکھ دے گی کہ اس کے بعد انہیں استقرار نصیب نہ ہو سکے گا۔ اگر شیعہ کو ان جرائم کا علم ہو جائے جن کا ارتکاب ولایت فقیہ کے نام پر ہوا اور ہو رہا ہے تو اپنے شہروں سے فقیہ کا سایہ تک مٹا کر دم لیں اور ان سے اس طرح دور بھاگیں جیسے بکری بھیڑیئے سے بھاگتی ہے۔

اب جب کہ یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں شیعہ ملک ایران میں شیعہ مذہب اور اس کے ہمراہ آنے والے فقہاء کے تسلط اور مذہبی رجعت پسندی کے خلاف شدید ردعمل پیدا ہو چکا ہے اور ایسا ان مصائب و آلام کے بعد ہوا جن کا سامنا "ولایت فقیہ" کی عنایات سے ایرانی قوم کو کرنا پڑا اور یہ ایسا ابتلاء ہے جس نے ایران کے شیعہ معاشرہ کو فوج در فوج دائرہ اسلام سے نکل جانے کا خطرہ لاحق کر دیا ہے۔

اس لیے میری مخلصانہ دعا ہے کہ میرا یہ اصلاحی پیغام وقت گزرنے سے پہلے ایران کے شیعہ بھائیوں تک پہنچ جائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ نجات کا راستہ تخریب و انکار میں نہیں بلکہ تعمیر و اصلاح کی ابتداء کرنے میں ہے۔

معزز قاری یہ نہ سمجھے کہ میرا اشارہ ولایت فقیہ کے نام سے حکومت پر قابض ہونے والے فقہاء میں سے کسی خاص شخصیت کی طرف ہے بلکہ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نظریہ عام ہے سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کوئی خاص فرد ہمارے مدنظر نہیں ہے۔

جب ہم دقیق اور گہری نظر سے ان المناک واقعات پر غور کرتے ہیں جو اسلامی اور بالخصوص شیعی سرزمین میں رونما ہو رہے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ "ولایت فقیہ" ایسے کاموں میں بڑا فعال کردار ادا کر رہی ہے جو اسلامی اصولوں کے ساتھ واضح تضاد رکھتے ہیں اور فقہاء کی اکثریت نے ان کے خلاف موقف اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اکثریت یا تو مؤید بنی یا غیر جانبدار رہی۔ ہاں چند فقہاء مستثنیٰ ہوں گے لیکن ان کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں کی تعداد سے متجاوز نہیں ہے۔

اگر شیعہ ان تمام امور سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور جو خاص طور پر انہی کے متعلق ہیں۔ نجات حاصل کرنے کے لئے ہماری اصلاحی تجاویز پر عمل کر سکیں تو ان کا منزلِ تصحیح کی جانب کافی راستہ طے ہو جائے گا اور وہ خود کو راحت سے ہمکنار کر لیں گے نیز ان بندھنوں سے نجات پا لیں گے جن میں انہیں اللہ کے بندوں نے اللہ کے احکام

کی مخالفت کرتے ہوئے جکڑ رکھا ہے ۔ وہ تین امور یہ ہیں ۔

۱ : تقلید

یہ شرعی مسائل میں مجتہد کی رائے کے مطابق اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے ۔ شیعہ کی بہت بڑی اکثریت شرعی مسائل میں مجتہدوں کی طرف رجوع کرتی ہے کم ہی کوئی گھر ہو گا جس میں ان رسالوں میں سے کوئی رسالہ نہ ہو جسے مجتہدوں نے عوام کیلئے تالیف کیا ہے ۔ جنہیں کچھ ناموں کے اضافہ کے ساتھ الرسالۃ العملیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ مثلاً ذخیرۃ الصالحین، صراط النجاۃ، ذخیرۃ العباد وغیرہ ۔ ان "عملی رسائل" کا مطالعہ کرنے والا دیکھتا ہے کہ یہ فقہاء صدیوں سے ۔ آج تک ۔ اپنے ان رسائل کے پہلے صفحہ پر عبارت لکھتے آرہے ہیں ۔

> "ہر عاقل و بالغ کا فرض ہے کہ مجتہد ہو یا مقلد یا پھر
> محتاط ہو یعنی احتیاط کے مقامات سے واقف ہو ۔
> عامی کا فروع میں تقلید کے بغیر عمل باطل و بے سود ہے"

اس نظریے کا جس پر امامیہ فقہاء زمانہ غیبت کبری سے آج تک متفق چلے آتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص احتیاط پر کاربند ہے اس کے لئے تقلید کرنا اور دوسرے کی رائے پر عمل کرنا روا ہے ۔ احتیاطی عمل کا مطلب یہ ہے کہ مکلف کو فروعی مسائل میں اختلافی مقامات کا علم ہو اور وہ ان میں سے اقرب الی الصواب کو اختیار کرلے ۔ البتہ اصول و عقائد میں تقلید جائز نہیں ۔ بلکہ واجب ہے کہ مسلمان سمجھ بوجھ کر ان کا اعتقاد رکھے

پس وہ حل جو ہم اپنے شیعہ بھائیوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور ان سے اپیل کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں سعادت کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے اسے لازم پکڑ لیں ۔ یہ ہے کہ "احتیاط پر عمل اور "احتیاطی عمل" میں شیعہ مذہب سے خروج یا فقہاء شیعہ کے اجماع کی مخالفت نہیں پائی جاتی اور اس حقیقت نے فقہاء

کے لئے شیعہ کو تصحیح کے خلاف اکسانے یا انہیں قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے دروازے بھی بند کر دیئے ہیں البتہ جب شیعہ کے لیے نئے مسائل کھڑے ہوں، اور یہ بہت ہی قلیل ہیں۔ میری مراد ان سے وہ مسائل ہیں جو پہلے سے ابواب فقہ میں موجود نہیں۔ تو اس صورت میں ایک یا ایک سے زیادہ مجتہدوں سے مشورہ کیا جا سکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے شیعہ بھائیوں کے لئے ایک "عملی فقہی رسالہ" نکالنے کی ذمہ داری لینے کو تیار ہوں جو عام طور پر پیش آنے والے مسائل میں احتیاط پر مبنی آراء پر مشتمل ہو اور یہ ایسے علماء و فقہاء کے تعاون سے ہوگا جو نیتوں میں اخلاص سے بہرہ ور ہیں اور اس کام کے بدلے کوئی اجرت اور انسانوں کی جانب سے کسی قدر دانی کے متمنی نہیں ہیں۔

۲ - خمس

امامیہ فقہاء ایک تنگنائے میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے اتفاق کیا کہ خمس میں سے۔ جو اللہ، اس کے رسول اور امام غائب کا حق ہے۔ نصف تو اس مجتہد کو ادا کرنا واجب ہے جس کی وہ (امامیہ شیعہ) تقلید کرتا ہے اور باقی نصف ہاشمی فقراء محتاجوں، یتیموں اور مسافروں پر خرچ کرے گا۔ لیکن یہ بات ان سے اوجھل رہی کہ یہ تو عوام میں سے مقلدین کی نسبت حکم ہوا۔ لیکن اس محتاط کا کیا حکم ہوگا جو کسی ایک فقیہ کی رائے پر عمل نہیں کرتا۔ اس پر سے خمس ساقط ہو گا؟ یا وہ اس میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے؟ یہیں سے واضح ہو جاتا ہے کہ خمس کی بدعت شیعی مفہوم میں فقہاء کے اس پر اصرار کے باوصف۔ دقیق نہیں۔ اس میں ایسے خلا ہیں جو اس کے باطل ہونے کی بیّن دلیل ہیں۔

بدعت خمس کا شیعی مفہوم۔ سنت رسولؐ، خلفاء راشدین اور ائمہ شیعہ کے عمل کے خلاف ہے کیوں کہ اسلام میں تو صرف غنیمت میں خمس ہے تجارت اور کاروبار کے منافع پر تو کبھی خمس نہیں تھا۔

لہذا میں اپنے اس اصلاحی رسالے میں شیعہ بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں اور انہیں ترغیب دیتا ہوں کہ کسی بھی فقیہ کو کسی بہانے سے یہ ٹیکس ادا نہ کریں جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی لیکن میں انہیں یہ ترغیب ضرور دوں گا کہ خیراتی کاموں، غرباء کی اعانت اور اجتماعی اداروں میں براہِ راست اور کسی واسطہ کے بغیر حصہ لیں اور جان لیں کہ قومیں عز و شرف کی بلندی صرف سخاوت اور عطار کی بدولت پاتی ہیں۔

اگر شیعہ بھائی غریبوں، مجتہدوں اور فقیہوں کی مدد کرنا چاہیں تو یہ ان کا کام ہے لیکن یہ ان کی ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لئے ذاتی معاونت کے طور پر ہو، نہ کہ انہیں دوسروں پر مال خرچ کرنے کا واسطہ بنانے کے لئے جیسا کہ تادم تحریر صورت حال ہے۔

۳۔ ولایتِ فقیہ:

اس مقام پر میں وہی بات دہراؤں گا جو اس سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ انسانی تاریخ میں ایسا کوئی نظریہ نہیں گزرا جس نے انسانیت کو اس قدر خونریزی، بغض و اندوہ اور آنسو دیئے ہوں جس قدر شیعہ کے نظریۂ ولایت فقیہ نے اپنے ظہور کے وقت سے اب تک دیئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں شیعہ سے اس نظریہ کا مقابلہ کرنے کی بھی کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ خود ہی اپنے آپ کو اکھاڑ پھینکنے کا عمل شروع کر چکا ہے۔ جب کسی نظریے یا فکر میں ناکامی یا۔ ان جرائم کے سبب جو اس کے نام پر کئے جا رہے ہوں۔ داخلی ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جائے تو وہ نظریہ اضمحلال اور مکمل زوال کے راستہ پر گامزن ہوتا ہے۔

غلوٌ

"وَلَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ" المائدہ ۷۷

"اپنے دین کی بات میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جو خود بھی گمراہ ہوئے اور بھی اکثروں کو گمراہ کر گئے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔"

جب انسان منزلِ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور فرشتوں سے بھی بلند تر ہو جاتا ہے تو شعبدوں اور اوہام کے جال بُننے سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو اس کے گرد تیار کئے جاتے ہیں اور اس کی روشن صورت کو بدنما کرتے ہیں۔

(ا) نظری غلو

(ب) عملی غلو

نظری غلو

غلو کے کئی مظاہر ہیں جو نظریاتی غلو سے شروع ہوتے اور عملی غلو پر منتج ہوتے ہیں۔ مختصر ترین الفاظ میں غلو کسی انسان کا کسی انسان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ ایسی کرامات یا معجزات یا خارقِ عادت غیر معمولی امور پر قادر ہے جنہیں عام لوگ نہیں کر سکتے۔

یہ اعتقاد رکھنا کہ کوئی انسان (زندہ یا مردہ) دوسروں کی زندگی کے متعلق دنیا اور آخرت میں اچھے اور بُرے تصرّف کی طاقت رکھتا ہے غلو کے بڑے مظاہر میں ایک مظہر ہے۔

نظریاتی غلو روایات و احادیث کی کتابوں میں موجود ہے اور عجیب و خارقِ عادت امور کو ائمہ، اولیاء اور مشائخ کی جانب منسوب کرنا عملی غلو میں اضافے اور ائمہ، اولیاء اور مشائخ کے مقبروں پر عام لوگوں کے اظہار عبودیت، نذر و نیاز اور براہِ راست امداد طلب کرنے اور دیگر بے شمار شرکیہ اعمال کے سرزد ہونے کا سبب بنا۔

غالیانہ افکار بہت سے لوگوں کے دلوں میں حتیٰ کہ غیر مسلموں میں بھی جا گزیں رہتے ہیں۔ ائمہ و اولیاء کی نسبت غلو کرنے میں دوسرے اسلامی فرقے شیعہ کے شریک ہیں ان میں سے ہم صرف سلفیوں کو مستثنیٰ کر سکتے ہیں جو لوگوں کے دلوں

اور عقلوں کو جکڑا کر رکھ دینے والی زنجیروں کو توڑنے میں کامیاب ہوئے۔

البتہ اس میدان میں شیعہ دوسرے اسلامی فرقوں سے سبقت حاصل کئے ہوئے ہیں۔ غلو میں اس طرح حد سے تجاوز کرنے کا سہرا ان کتب روایات کے سر ہے جن کی تہذیب نہیں کی گئی نیز ان روایات کے متعلق فقہاء کے موقف اور ان کی مشمولات کے ابطال ذکر نہ کے سر ہے چنانچہ شیعہ کی معتبر اور ثقہ کتابوں میں اماموں کے معجزات و کرامات میں ایسے قصے مذکور ہیں جو دوسرے اسلامی فرقوں کی کتب روایات میں موجود مشائخ اولیاء اور صوفیائے اتقیاء سے کم نہیں ہیں۔

میں اس بے ثمر بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ یہ حکایات سچی ہیں یا خیالی تانا بانا؟ یا یہ کہ مذکورہ روایات اس دور میں گھڑی گئیں جب عام لوگوں کے ذہن راسخ، مطمئن ہی نہیں ہوتے تھے تاوقتیکہ اپنے بزرگوں کی زندگی کے متعلق عقیدت کو جوش دلانے والے قصے نہ سن لیں لیکن جس بنیادی نکتہ پر میں توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مسلمانوں اور امت مسلمہ کی مانند ہمارا بھی اعتقاد ہے کہ معقول نظریات ہی زیادہ قابل قبول ہوتے ہیں اور انہیں ماننے والے اور ان کی اتباع کرنے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں، یہی حقیقت ہمیں سرابوں کے پیچھے بھاگتے پھرنے سے بے نیاز کرتی ہے۔

خاص طور پر ہم شیعہ نے تو عقلی مذہب کو اپنے فقہی احکام کے استنباط کا ایک حصہ بنا لیا ہے اور ایک روایت جسے کلینی نے اصول کافی میں امام صادق سے بطریق متواتر ذکر کیا ہے میں ہے کہ:

"سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی عقل ہے پھر اسے کہا آؤ وہ آگے آئی پھر کہا پیچھے جاؤ تو وہ پیچھے چلی گئی پھر کہا۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم تمہارے سبب ہی سزا دوں گا اور تمہارے سبب

جزا دوں گا"

اسی بنا پر شیعہ نے عقلی قاعدہ بنایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ

"ہر وہ چیز جس کا حکم عقل دیتی ہے شرع نے بھی اس کا حکم دیا ہے"

یعنی مستقل عقلی احکام جنہیں عقل بہر حال رد یا قبول کرنے کا فیصلہ کر دیتی ہے تو ان کے بارے میں شرع کا فیصلہ بھی عقل کے مطابق ہوگا۔

میں پوچھتا ہوں ان خرافات کے متعلق عقل کا کیا فیصلہ ہے جنہیں راویوں نے آئمہ کے معجزات وکرامات کے طور پر روایت کیا ہے اس نرے غلو کا عقل سے کیا تعلق جو انسان کو اللہ کے ذکر اور اس کی طرف متوجہ ہونے سے روکتا ہے؟ پھر ہم شیعہ ہوتے ہوئے اپنے آئمہ کو وہ بلند مقام کیوں نہیں دیتے جس پر وہ فائز ہیں اور وہ انسان کامل کے مرتبہ میں پہنچنا ہے جو سب دوسرے معجزات پر فائق ہے۔ حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے:

"إن الله خلق الإنسان وركب فيه العقل والشهوة وخلق الملائكة وركب فيها العقل وخلق البهائم وركب فيها الشهوة فمن غلب عقله على شهوته فهو أعلىٰ من الملائكة ومن غلبت شهوته على عقله فهو أدنىٰ من البهائم"

"کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اس میں عقل اور

شہوت رکھی۔ فرشتوں کو تخلیق کیا ان میں عقل رکھی،
جانوروں کو تخلیق کیا اور ان میں شہوت رکھی پس جس
کی عقل اس کی شہوت پر غالب رہے وہ فرشتوں
سے بلند تر ہے اور جس کی شہوت اس کی عقل پر
غالب آجائے وہ حیوانوں سے بھی کم تر ہے"

یہ ہے عظیم الشان مرتبہ۔ جو اللہ تعالیٰ نے آئمہ اور اپنے صالح بندوں پر انعام کیا جب وہ فرشتوں سے بھی بلند تر مقام پر پہنچ گئے ہو۔ ربِ کعبہ کی قسم۔ انہیں ایسی خرافات سے بے نیاز کر دیتا ہے جو ان کے متعلق گھڑی جاتی ہیں اور جو بین کرتی عورت کو بھی ہنسنے کے لئے کافی ہیں پھر بعض اوقات غلو مدح سے گزر کر مذمت میں بدل جاتا ہے مثلاً وہ عصمت جو آئمہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے (جیسا کہ سابقہ فصلوں میں ہم نے کہا) اس سے مقصود ان جھوٹی روایات کو ثبوت مہیا کرنا تھا جو عقل و منطق کے منافی ہیں اور جو امام کی طرف جھوٹ سے منسوب کی گئی ہیں کہ عقل و ذکاء سے بہرہ ور افراد پر ان کے مضمون کے متعلق بحث کا دروازہ بند کر سکیں اور لوگوں کو انہیں یہ کہہ کر قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکے کہ یہ ایسے معصوم سے صادر ہوئی ہیں جو کبھی خطا نہیں کر سکتا۔

لیکن عصمت درحقیقت امام کے حق میں نقص کے سوا کچھ بھی نہیں اس میں کوئی مدح نہیں کیونکہ شیعی مفہوم کے مطابق عصمت کا معنی یہ ہے کہ آئمہ اپنی ولادت سے لیکر وفات تک اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اس کی کسی نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں شر پہ خیر کو فضیلت و ترجیح دینے کا ارادہ مفقود تھا۔ میں نہیں جانتا کہ جب کوئی شخص ایسے ارادے کی بدولت جو اس کی ذات سے خارج ہے برائی کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، کونسی قابل فخر عصمت ہے۔ ہاں اگر عصمت کا یہ مطلب ہو کہ آئمہ گناہ کرنے پر قادر ہوتے ہوئے وجود عالی نفسی، اخلاق میں قوی ملکہ اور رکاوٹ کی بناء پر ہرگز نافرمانی نہیں کرتے تو بات

معقول اور عقل و منطق سے مطابقت رکھتی ہے لیکن اس صورت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قوتِ نفس معدودے چند اشخاص کے ساتھ خاص ہے یا صرف ہمارے ائمہ کے ساتھ خاص ہے بلکہ یہ ایسی صفت ہے جس کے ساتھ ہر انسان متصف ہو سکتا ہے بشرطیکہ حدود اللہ کی پابندی کرے، اس کے اوامر کی فرمانبرداری کرے نواہی سے باز رہے اور ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے جس نے سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفاظت کی بلیغ تصویر اور حسین ترین مثال پیش کی ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ
وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ
اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ
الظَّالِمُونَ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا
لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَٰلِكَ
لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ
مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (۱)

"جس عورت کے گھر میں رہتے تھے اس عورت
نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے
کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ انہوں نے کہا کہ اللہ پناہ
میں رکھے وہ (یعنی تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں

---

(۱) یوسف، ۲۳ - ۲۴

انہوں نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے (میں ایسا ظلم نہیں
کرسکتا بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے اور
اس عورت نے اس کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا
قصد کیا اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے
(تو جو ہوتا ہوتا) یوں اس لئے کیا گیا کہ ہم ان سے
برائی اور بے حیائی کو روک دیں بے شک وہ ہمارے
خالص بندوں میں سے تھے۔

علم لدنی بھی اس قسم کی مثال ہے کسی محنت، کوشش اور صبر کے بغیر علم کے حاصل ہو جانے میں کون سی فضیلت ہے اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمارے بعض غلاۃ اس سے بھی دور جا نکلے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام ہر چیز جانتا ہے اور اسے تمام علوم و فنون کی معرفت حاصل ہے اور میں نہیں جانتا کہ انجینئر، مکینک یا جاپانی زبان کے ماہر ہونے میں امام کے لئے کیا فضیلت ہے، امام کی فضیلت تو فقیہ، پرہیزگار اور دینی علوم میں ربانی عالم ہونے میں ہے ان میں سے ہر خصلت میں فضیلت ہے۔ پھر جب قرآن لوگوں کے لئے ضیاء و نور بنا کر بھیجے گئے پیغمبر کے متعلق فرماتا ہے۔

"وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔" (۱)

اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔
اور اس سے علم غیب کی نفی کرتا ہے

"وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔" (۲)

(۱) الاسراء ۸۵
(۲) الاعراف ۱۸۸

" اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے
فائدے جمع کر لیتا "

ہمارے دل ہمارے لئے کس طرح روا قرار دیتے ہیں کہ ہم اپنے ائمہ کی طرف وہ امور منسوب کریں جو رسول اللہؐ کی صفات سے بھی بڑھ کر ہیں انبیاء سے وقتاً فوقتاً صادر ہونے والے معجزات و کرامات تو اسی وقت وجود میں آتے تھے۔ جب آسمانی رسالتوں کو انسانی چیلنجوں کو سامنا ہوتا اور اس زمانہ میں جب کہ دلیل و منطق کی زبان میں فضائل الٰہیہ اور عقلی امور بشریت کے ذہن کی رسائی سے بالاتر تھے اور اسے ایمان کی راہ پر لانا بھی ضروری تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر انعام فرمایا اور انہیں معجزات سے تکریم بخشی تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسولؐ کو دائمی معجزہ کے ساتھ مبعوث کیا جو کہ قرآن ہے یہ ابدی معجزہ ہے جو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا باقی رہے گا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رسالت ختم کر دی گئی معجزات ختم ہوئے، دین کامل ہوا، نعمت عام ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان واضح و روشن ہو کر آیا؛

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (۱)

" آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور
اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام
کو پسند کیا "

ایک بار پھر ہم عملی غلو سے پہلے شیعہ کے ہاں پائے جانے والے نظریاتی غلو

(۱) المائدۃ ۳

کے متعلق بات کر رہے ہیں اور دوسرے اسلامی فرقوں کے لئے دروازہ کھلا چھوڑ رہے ہیں تاکہ اپنے فرزندوں کے قلوب و اذہان پر مسلط اور اپنی کتابوں کے صفحات میں پائے جانے والے غلو کے متعلق وہ خود بات کریں۔

حقیقی طور پر تکلیف دہ بات یہ ہے کہ نظریاتی غلو بھی عملی غلو کی طرح دلوں کی گہرائی تک مذہب کے فقہاء اور مجتہدین ہی کے راستہ سے پہنچا ہے لہذا پہلی اور آخری ذمہ داری بھی انہیں پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ اس راستے پر عوام کو انہی نے لگایا ہے چنانچہ کئی امور ہیں جن کی نسبت شیعہ کتب نے آئمہ کی طرف کی ہے۔ فقہاء مذہب نے اس کو بنیاد بنایا اور روایات کی معتبر کتابوں مثلاً، اصول کافی، وافی، استبصار، من لا یحضرہ الفقیہ اور وسائل الشیعہ وغیرہ اہم ترین کتب شیعہ اور مراجع نے ان کا ذکر کیا ہے ان میں سے بہت سی روایات میں غلو ہے اور بہت سی روایات میں بالواسطہ طور پر ائمہ کی شان گھٹائی گئی ہے باوجودیکہ ہم اپنے بعض علماء اور بعض مراجع کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کیوں کہ انہوں نے نظریاتی و عملی غلو کے متعلق منصفانہ اور معتدل موقف اختیار کیا ہے تاہم ان میں سے اکثریت نے الف سے یاء تک غلو کا راستہ ہی اختیار کیا ہے۔ غالباً غلو کے اہم ترین موضوع یہ ہیں۔

۱ : عصمت

۲ : علم لدنی

۳ : الہام

۴ : معجزات

۵ : غیب کی خبریں

۶ : کرامات و معجزات

۷ : قبروں کو بوسہ دینا اور ان سے حاجات طلب کرنا"

اس مقام پر میں پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں

کہ میں جب یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ شیعہ کتب کی تطہیر کی جائے اور ان کو ایسی روایات سے پاک کیا جائے جو عقلِ انسانی کو صیقل کرنے کی بجائے اسے زنگار لگاتی ہیں تو اس کے ساتھ ہی میں دوسرے اسلامی فرقوں کے علماء سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ بھی اپنے طور پر اپنی کتب کو چھانٹیں اور ان میں آمدہ روایات سے ان کتابوں کی تطہیر کریں وہ بھی عجیب و رکیک ہونے میں شیعہ کتب میں تدوین شدہ روایات سے کم نہیں ہیں۔

غلو عملی

عملی غلو آئمہ سے دینوی و اخروی حاجات طلب کرنے اور ان سے براہِ راست مدد مانگنے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسی طرح قبروں کو بوسے دینا اماموں اور اولیاء کی آرامگاہوں میں یکساں طور پر عام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قبروں کو بوسہ دینے، آئمہ سے حاجات طلب کرنے اور قرآن کریم کی بجائے ان کی قبروں کے سامنے "زیارات" پڑھنے کے متعلق میں اپنے علماء - اللہ انہیں معاف کرے - کے ساتھ بحث کرتے کرتے اکتا گیا ہوں۔ میں نے ان سے بار بار کہی ہوئی باتوں کے سوا کچھ نہیں سنا۔

چنانچہ وہ چاہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجر اسود کو بوسہ دینے کو قبریں چومنے کا بہانہ بنالیں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل خاص موقع و مقام میں سنت سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ خلیفہ عمرؓ بن الخطاب نے حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

إنك حجر لا تضر ولا تنفع ولكنني
رأيت رسول الله يقبلك فأقبلك!

۔ تو ایک پتھر ہے نہ ضرر پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع

دے سکتا ہے لیکن چونکہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا کر

تجھے بوسہ دیتے تھے اس لئے تمہیں بوسہ دوں گا۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنا ہاتھ چومنے کی اجازت نہیں دی بلکہ زیارت کے لئے آنے والوں سے صرف معانقہ کیا کرتے تھے اس طرح ہم نے یہ بھی نہیں سنا نہ پڑھا کہ امام علی رض نے اپنا ہاتھ یا اپنی چادر چومنے کی کسی کو اجازت دی ہو۔ یہ امام صادق ہیں انہیں ایک آدمی نے اس وقت غضب ناک کر دیا جب اس نے وہ عصا جس پر آپ ٹیک لگایا کرتے تھے اس نالے سے چومنا چاہا کہ وہ رسول اللہ کا عصا ہے تو آپ نے غضبناک ہو کر اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا،

"تجھ پر تعجب ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

گوشت و خون ہے (جب تم اسے نہیں چومتے)

تو اس چیز کو کیوں بوسہ دیتے ہو جو نہ تمہیں نقصان

پہنچا سکتی ہے نہ نفع"

حجر اسود کو رسول اللہ کے بوسہ پر قیاس کرتے ہوئے قبروں کے بوسہ لینے کے جواز پر ہمارے علماء کے استدلال میں عجیب بات یہ ہے کہ شرعی احکام کے استنباط میں قیاس کے سب سے بڑھ کر مخالف یہی لوگ ہیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے استنباط احکام میں قیاس کا بدل دلیل عقلی کو بنایا ہے لیکن جب انہیں مصلحت نظر آئی تو قیاس پر عمل کر لیا۔

میں بہت سے مسلم ممالک میں اولیاء کی قبریں دیکھ چکا ہوں میں نے وہاں زائرین کو اسی حالت میں دیکھا ہے جو حالت ہمارے آئمہ کے مشاہد میں ہوتی ہے میں دنیا کے کئی ممالک میں عیسائیوں کے گرجا گھروں میں داخل ہوا ہوں اسی حالت میں میں نے لوگوں کو وہاں دیکھا کہ وہ مسیح کی تصویر اور سیدہ مریم عذراء کی مورتی سے برکت حاصل کرتے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایک طرف چھوڑ دیا ہے اور دنیا و آخرت میں انہی دونوں سے مدد مانگتے ہیں

یں بدھوں، سنتوں، ہندوؤں اور سکھوں کے عبادت خانوں میں داخل ہوا وہاں پر بھی میں نے وہی کچھ دیکھا جس کا نظارا اس سے پہلے مسلمانوں اور عیسائیوں کی زیارت گاہوں میں کر چکا تھا کہ قربانیاں پیش کرتے ہیں حاجتیں مانگتے ہیں مورتیوں کو چومتے اور ان کے سامنے خشوع وخضوع اور سر جھکانے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اس طرح میں نے انسانیت کو اوہام کے سراب میں غوطے کھاتے دیکھا ہے ابن حزم جیسے مسلمان علماء اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کی حقیقی عظمت میرے دل میں نقش ہے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے فائق عقلیں عطا فرمائیں تو انہوں نے اپنے اور دوسروں کے لئے انہیں ہدایت کا ذریعہ بنایا وہ اپنے زمانہ سے کئی صدیاں آگے تھے اور اس قسم کے اعمال کے بالمقابل غضبناک اور مذاق اڑانے والے کا موقف اپنایا۔ آیئے مل کر یہ واضح آیات پڑھیں جو ان امور کا واضح اور صریح طور پر علاج بتاتی ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ" (۱)

■ کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا میں تو مومنوں

(۱) الاعراف ۱۸۸

کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں"

۲ وَلَآ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ ۔" (۱)

"میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں"

۳ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۔" (۲)

"کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے"

۴ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۔" (۳)

"اے پیغمبر جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو) کہ میں تو تمہارے پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں"

(۱) : ھود : ۳۱
(۲) النمل : ۶۵
(۳) البقرۃ : ۱۸۶

”وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ“ (۱)

”اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں“

اصلاح

ایک دفعہ پھر ہم وسیع تر اصلاح کے نظریہ کی طرف پلٹتے ہیں یہ بھی ممکن ہے جب کتابوں کی چھان پھٹک کی جائے اور انہیں ان میں وارد شدہ غلط روایات اور آمیزش سے پاک صاف کر دیا جائے، ہم شیعہ اور تشیع کے درمیان کشمکش کے پہلے دور کی تالیف شدہ ان کتابوں کا تذکرہ بھی کریں جو اس کشمکش کے دوسرے دور یعنی صفوی سلطنت میں لکھی گئیں بلاشبہ یہ کتابیں پہلے وقت میں لکھی گئی کتابوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں جو ان میں سے بعض کتابوں کے صفحات میں تو ایسے عجیب غریب اقوال و امور جمع کر دیئے گئے ہیں کہ اہل بیت النبوۃ کا کوئی محب اور کوئی بھی عقلمند انہیں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔

اور شاید اضافی فائدے کے طور پر بہتر ہے کہ ہم (خاص طور پر) "بحار الانوار" نامی بڑے انسائیکلوپیڈیا کا ذکر کریں جسے عربی میں بیس سے بھی زیادہ

(۱) قٓ ۱۶

جلدوں میں ملا باقر مجلسی نے ترتیب دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ انسائیکلو پیڈیا فائدہ اور نقصان ہر دو اعتبار سے تمام دوائر معارف سے بڑھ کر ہے۔ یہ کتاب جہاں اپنے صفحات میں وہ عظیم علمی ورثہ لیے ہوئے ہے جو علماء و محققین کا مددگار ہے تو ساتھ ہی ایسے مضر اقوال اور دیگر موضوعات ہیں کہ جنہوں نے شیعہ اور امت اسلامیہ کی وحدت کو شدید ترین و عظیم ترین نقصان پہنچایا ہے۔ مؤلف کو بھی اعتراف ہے کہ اس نے کتاب کا نام بحار (سمندر) اس لیئے رکھا ہے کہ جس طرح سمندر میں موتی بھی ہوتے ہیں اور سنگریزے بھی اسی طرح ان کی کتاب بھی سمندر کی طرح مفید و مضر مواد پر مشتمل ہے لیکن افسوسناک حقیقت ہے کہ بحار میں موجود سنگریزوں نے امت اسلامیہ کی وحدت اور شیعہ کو شیعہ کی تاریخ میں لکھی گئی ہر کتاب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

مؤلف نے اپنے دائرۃ المعارف کا بڑا حصہ شیعہ کے اماموں کے معجزات بیان کرنے کے لیۓ خاص کیا ہے یہ دائرۃ المعارف ائمہ شیعہ کی طرف منسوب معجزات و کرامات پر مشتمل غالیانہ افکار سے بھرا ہوا ہے سچی بات تو یہ ہے کہ یہ حکایات بچوں کو بہلانے کے کام ہی آسکتی ہیں۔

اس انسائیکلو پیڈیا کا دوسرا تباہ کن پہلو طعن و تشنیع کو خلفاء پر مرکوز کر دینا ہے جو بسا اوقات تو نا قابل برداشت صورت اختیار کر لیتی ہے یہی وہ بات ہے جس نے مذموم فرقہ پرستی کے تاجروں کو شیعہ اور اہل سنت کے درمیان دشمنی کو ہوا دینے کے لیۓ مناسب موقع بہم پہنچایا ہے اور شیعہ کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں مجلسی کی کتابوں کو براہ راست نشانہ بناتی ہیں۔

مجلسی نے فارسی زبان میں بھی کتابیں لکھی ہیں جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اس کے عربی دائرۃ المعارف سے کم نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجلسی کا عہد شیعہ مذہب اور علماء مذہب کی تائید، بحار الانوار انسائیکلو پیڈیا کی تالیف کے

اہم ترین اسباب میں سے تھا یہی وہ کتاب تھی جو ایران میں رہنے والے شیعہ اور ان کے پڑوس میں بسنے والی عظیم مسلم اکثریت کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اختلاف پیدا کرنے کی ضامن تھی ۔جس پر خلافت اسلامیہ امیر المؤمنین کے نام سے حاکم تھی اور مجلسی جو ۱۰۲۷ ہجری میں پیدا ہوا اور ۱۱۱۱ ہجری میں وفات پائی صفویوں میں سے شاہ سلیمان اور شاہ حسین کا ہمعصر تھا اور اسے شیخ الاسلام کا مرتبہ دیا گیا اور صفوی سلطنت کے بہترین زمانے میں حکمرانی کرنے والے اور بادشاہوں کے حکم سے ایران کے دینی امور اس کے سپرد کئے گئے۔

تیس سال سے زیادہ عرصہ پیشتر جب ایران میں ایک اشاعتی ادارے نے بحار الانوار نامی دائرۃ المعارف کو سو جلد میں از سر نو طبع کرنا چاہا تو اس وقت کے شیعہ فرقہ کے زعیم اعلیٰ امام طباطبائی بروجردی نے حکم دیا کہ اس کتاب کی تہذیب و تنقیح کی جائے اور اسے خلفاء راشدین کی تنقیص پر مشتمل تمام قصص و روایات سے پاک کر دیا جائے لیکن ناشر فرقہ پرستی کے بڑے تاجروں میں سے تھا اس نے مشتبہ گروہوں کے تعاون سے اس دائرۃ المعارف میں وارد ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اجزاء طبع کرنے شروع کئے جو ان قصوں اور ضرر رساں روایات پر مشتمل نہ تھے اور ضرر رساں جلدوں کی طباعت امام بروجردی کی وفات کے بعد مکمل ہوئی اور انہیں اسلامی کتب خانوں میں پیش کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے درمیان نفرت و عناد کی آگ کے لئے تازہ ایندھن کا کام دیں۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ یہی کتاب دوبارہ لبنان میں ایسی جماعت کے تعاون سے طبع ہوئی جس کا ان استعماری اداروں سے گہرا تعلق تھا جو ہمیشہ سے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی سیاست پر کاربند رہے ہیں۔

اس مقام پر جب کہ ہم شیعہ روایات کی کتب کی تطہیر کی ضرورت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں ضروری ہے کہ ہم یہاں مکمل صراحت کے ساتھ یہ بتا دیں کہ ان روایات کی تصحیح اور دفاع کے لئے جن کی ہم چھان بین کرنا چاہتے ہیں ہمارے

بعض فقہاء فقط یہ کہتے ہیں کہ علم اصول حدیث اور علم رجال ائمہ شیعہ سے ان روایات کے صادر ہونے اور ان کے ہاتھوں یہ کرامات و معجزات رونما ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ کاش میں سمجھ سکوں کہ کس چیز کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو بہتر قرار دوں اصول حدیث و علم رجال کو یا اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کو اور ان کے ساتھ ساتھ عقل اور منطق و دلیل کو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

كُلّ مَا وَافَقَ الكِتَاب فَخذوه وَمَا عَارَضَه فَانبذوه" (1)

"جو چیز کتاب اللہ کے مطابق ہو اسے تھام لو اور
جو اس کے مخالف ہو پھینک دو"

اس سے پہلے کہ یہ فصل ختم کروں انتہائی اہمیت کے حامل ایک موضوع کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے شیعہ امور سے دلچسپی رکھنے والے اور ہمارے فقہاء کی کثیر تعداد کی عادت ہے کہ مذکورہ کتابوں کی۔ وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے والے موضوعات سے۔ تطہیر کی تجویز کو یہ کہہ کر رد کر ڈالتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابیں بھی شیعہ کی تنقیص، تکفیر اور انہیں زندیق اور خارج از اسلام قرار دینے والے مواد سے بھری پڑی ہیں۔ ہم نے اپنے شیعہ فقہاء سے دو ٹوک بات کی اور ان سے کہا کہ تمہاری کتابیں خلفاء راشدین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو طعن و تنقید کا نشانہ بناتی ہیں جب کہ ان کا مسلمان کے دلوں میں عظیم مقام ہے۔ اہل سنت ائمہ شیعہ کے متعلق ایسی باتیں نہیں کہتے بلکہ ان کا احترام کرتے ہیں اور ان کے فضائل ذکر کرتے ہیں

(1) راویان شیعہ و اہل سنت کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے

لیکن جب اہل سنت عزو شرف میں بلند ترین جماعت میں نبیؐ کی سیرت کا پر تو دیکھتے ہوئے ان کا دفاع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ شیعہ کتب میں ان کا ذکر ایسے طریقے سے کیا جاتا ہے جو ان کی عظمت شان کے کسی طرح مناسب نہیں تو اس کے نتیجے میں لازمی تھا کہ انہی کتابوں میں ایسے اقوال مدون کرنے والوں کو بھی متہم ٹھہرایا جائے۔

اس مقام پر کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ کتب اور ان میں موجود خلفاء راشدین کے متعلق جارحانہ کلام اہل سنت کے شیعہ کے متعلق کلام سے کہیں زیادہ درشت و گراں ہے چونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے حکم کے مطابق اس اختلاف کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتے ہیں اور ایسی اصلاحی تجاویز پیش کر رہے ہیں جو ان اختلافات کے جلد یا بدیر خاتمہ منتج ہوں۔ ضروری ہے کہ ہم واضح اور صراحت کا راستہ اختیار کریں اور ہم اس مقام پر اللہ تعالیٰ، تاریخ اور تمام مسلمانوں کے سامنے ذمہ دار ہیں اس لئے ہم مانتے ہیں کہ اہل سنت مؤلفین کی بعض کتابوں میں شیعہ کے اماموں کے متعلق طعن و تشنیع موجود ہے شیعہ کے ائمہ سے یہاں ائمہ اہل بیت مراد ہیں انہیں ائمہ شیعہ اصطلاح کے مطابق مجازی طور پر کیا گیا ہے ورنہ حسنؓ حسینؓ اور زین العابدینؒ جیسے ائمہ اہل بیت اہل سنت کے بھی امام ہیں اور جو ان پر طعن و تشنیع کرے اہل سنت کے معیار کے مطابق وہ ان کے ہاں ملعون ہو جاتا ہے یہ تو واضح ہے کہ میری مراد حضرت علیؓ کے متعلق واضح اور صریح موقف رکھنے والے سنی مؤلفین نہیں ہیں۔

باوجودیکہ اس قسم کی کتابیں انتہائی شاذ و نادر ہیں لیکن پھر بھی انہیں اصلاحی تحریک کو بے اثر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور فرقہ پرستی کے تاجر جو عظیم تر اسلامی وحدت کی تکمیل نہیں چاہتے اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس قسم کی شاذ و نادر کتابوں کو دلیل بنا لیتے ہیں جو عام طور پر دستیاب بھی نہیں لیکن ان کی موجودگی کو بہانہ بنا لیا جاتا ہے۔

میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اُمتِ محمدیہ کے مصلحین کو توفیق دے کہ اس قسم کی کتابوں کی بھی تطہیر کریں تاکہ ہماری فکر پھیل کر عام ہو جائے۔

قبورِ آئمہؑ کی زیارت

میں نے آج تک اپنے فقہاء سے (اللہ انہیں معاف کرے)
مخلوق کے کلام کی خالق کے کلام پر افضلیت کے بارے میں کوئی
شافی جواب نہیں سُنا۔

غلو (مبالغہ آمیزی) کے مباحث کی فصل میں ہم نے شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین مراقد ائمہ اور قبور اولیاء کی زیارت کے متعلق وجہ اشتراک کی تفصیل ذکر کر دی ہے صرف سلفی حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں اب ہم اس فصل میں مقام اختلاف کا ذکر کریں گے جہاں قبور آئمہ کی زیارت کے مسئلہ میں شیعہ دیگر فرقوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔

شیعہ نے آئمہ کی قبروں کی زیارت کا مقصد و مفہوم ہی تبدیل کر دیا ہے

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ عمل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا مگر انہوں نے ان زیارتوں کو سیاسی، ثقافتی و مذہبی زیارتوں اور وسائل تشہیر میں تبدیل کر دیا ہے۔

آج جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں ادھر ایران، عراق اور مدینہ منورہ میں ہزارہا شیعہ دن رات ائمہ کے مراقد کی زیارت میں مشغول ہیں مجھے یقین ہے کہ ان زائرین کی اس اکثریت میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو قبرستان میں داخل ہوتے ہوئے یا امام کی قبر پر کھڑا ہو کر سورۂ فاتحہ یا قرآن کریم کی کوئی دوسری سورتیں پڑھتا ہو۔

شیعہ کے ہاں صدیوں سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے آئمہ کی قبروں کے پاس کھڑے ہو کر لمبی لمبی عبارتیں پڑھتے ہیں جسے وہ (زیارت) کا نام دیتے ہیں اور یہ زیارت ائمہ کی مدح و ثناء ان کے مخالفین پر تبرا بازی اور آخر میں کچھ تھوڑی سی دعا پر مشتمل ہوتی ہے کم ہی کسی شیعہ کا گھر ہو گا جس میں (مفاتیح الجنان) نامی کتاب موجود نہ ہو اور اس کتاب میں آئمہ اور ان کی اولاد کے لئے سینکڑوں (زیارات) جمع ہیں اور

وہ سب کی سب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں کہیں کہیں معمولی سا فرق ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی ہم (الجامعۃ الکبیرۃ) کے کچھ پیرے پڑھتے ہیں یہ اہم ترین، شاندار اور طویل زیارتوں سے ہے جو امام کی قبر کے پاس پڑھی جاتی ہے۔ صدوق نے اپنی کتاب (الفقیہ) میں روایت کیا ہے کہ دسویں امام علی بن محمد الجواد نے اپنے ایک خاص آدمی موسیٰ بن عبداللہ النخعی کو اس (زیارت) کی تعلیم دی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

السّلامُ عليكم يا أهل بيت النبوة و
موضع الرسالة ومختلف الملائكة و
مهبط الوحي ...... وأمناء الرحمن وسلالة
النبيين وصفوة المرسلين وعترة
خيرة رب العالمين ...... أشهد أنكم
الأئمة الراشدون المهديون
المعصومون المكرمون المقربون
المتقون الصادقون ...... الراغب عنكم
مارق واللازم لكم لاحق والمعترض في
حقكم زاهق والحق معكم وفيكم ومنكم
وإليكم وأنتم أهله ومعدنه وميراث
النبوة عندكم وإياب الخلق إليكم
وحسابهم عليكم وفصل الخطاب عندكم
وعزائمه فيكم ..... من والاكم فقد والى
الله ومن عاداكم فقد عادى الله ومن أحبكم
فقد أحب الله ومن أبغضكم فقد
أبغض الله ..... اشهد الله وأشهدكم

إنني موال لكم و لأولیائکم مبغض لأعدائكم
و معاد لهم سلم لمن سالمکم و حرب
لمن حاربکم مبکم يسلك إلى الرضوان
و على من جحد و لاينكم غضب الرحمان

"سلام تم پر اے نبی رسالت مآب کے اہل بیت جن کے ہاں فرشتوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور وحی نازل ہوتی تھی۔ اللہ نے امانت تمہارے سپرد کی۔ تم سرور انبیاء اور رسول مصطفیٰ کے فرزند اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اولاد ہو میں شہادت دیتا ہوں کہ تم رشد و ہدایت کے پیکر، کرامت و عصمت پر سرفراز اور اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مجسمۂ صداقت و تقویٰ تھے تم سے روگردانی کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور تمہارے دامن سے وابستگی رکھنے والا ہی ملت اسلام میں داخل ہے اور تمہارے حق (خلافت) میں آڑے آنے والا نابود ہے۔ حق تمہارے ساتھ ہے اس کا منبع بھی تم اور اس کا ملجا و ماویٰ بھی تم ہو تم حق کا خزانہ ہو میراث نبوت تمہارے پاس ہے لوگوں کو تمہاری طرف لوٹ کر آنا ہے اور تمہی ان کا حساب لوگے۔ فیصلہ کن کلام تیرے پاس ہے اس کے تمام احکام تمہارے ہی متعلق ہیں تمہارا دوست اللہ کا دوست اور تمہارا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ تمہارا محب اللہ کا محب اور تمہارے ساتھ بغض رکھنے والا درحقیقت اللہ کے ساتھ بغض رکھنے والا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کو اور

تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارا اور تمہارے دوستوں
اور محبوں کا محب ہوں تمہارے دشمن سے عداوت و بغض
رکھتا ہوں جس کے ساتھ تمہاری صلح اس کے ساتھ میری
صلح جس سے تمہاری جنگ اس کے ساتھ میری جنگ
اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ صرف تمہاری معیت میں طے
ہو سکتا ہے جو تمہاری "ولایت" کا انکار کرے اس
پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو"

زیارت اسی قسم کی عبارت پر مشتمل ہوتی ہے آخر میں مختصر ہو جاتی ہے۔

جس (زیارت) کے مختصر اقتباسات ہم نے ذکر کیے ہیں یہ تمام زیارتوں سے بہتر اور معتدل مضمون کی حامل ہے جب کہ کئی ایک دیگر زیارات سخت اور تند و تیز الفاظ پر مشتمل ہیں بعض میں خلفاء راشدین پر جرح و قدح بھی ہے لیکن عام طور پہ ان زیارتوں میں آلِ محمدؐ پر ظلم کرنے والوں سے اظہار نفرت، حضرت علی اور ان کی اولاد کی فضیلت اور امامت پر ان کا حق فائق ہونے کا اعتراف ہے اور ایسی بھی کئی زیارتیں ہیں جو خصوصاً امام حسینؓ کے متعلق ہیں اور وہ امویوں سے اظہار نفرت، اور ان میں سے بہتوں کے حق میں ان کے قتل حسینؓ کی وجہ سے صریح سب و شتم پر مشتمل ہیں۔

بلاشبہ واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کا قتل، اور حضرت علی کو منبر پر برا بھلا کہنے کی ریت۔ جس کا آغاز معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت ۹۹ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے ختم کر دیا۔ ان اہم ترین اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے شیعہ کی طرف سے سخت ردعمل ظاہر ہوا اور انہوں نے بنی امیہ کے خلاف سب و شتم کو دینی اور قانونی حیثیت دے کر ان دینی اوراد و وظائف (زیارات) میں شامل کر دیا جنہیں ائمہ اور ان کی اولاد کی قبروں کے پاس تلاوت کیا جاتا ہے اور

یہ سلسلہ قرأت آج تک جاری ہے۔

جب میں نے مذکورہ زیارتوں پر مشتمل کتب کا گہرا مطالعہ کیا مثلاً "مزار البحار" "مفتاح الجنان" "ضیاء الصالحین" "مفاتیح الجنان" وغیرہا تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ ان میں سے بعض زیارتوں میں خلفاء راشدین کے صراحۃً یا اشارۃً جو نام شامل کئے گئے ہیں تو ایسا اس زمانے سے خاصا بعد میں ہوا ہے جس میں یہ لکھی گئی تھیں اس لئے ایسی زیارتیں بہت کم ہیں جن میں خلفاء راشدین کا ذکر ہے۔

جو مخفی اسباب ان زیارتوں کی تالیف کے پس منظر میں پائے جاتے ہیں اور قرآن پاک جو اللہ کا کلام ہے اور مخلوق کے کلام پر من کل الوجوہ شرف و منزلت رکھتا ہے مکمل طور پر صرف نظر کر کے اس کی بجائے انہیں آئمہ کی قبروں پر تلاوت کیا جاتا ہے ان اسباب پر معمولی سا غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ ان زیارتوں کی تالیف کی اصل غرض اپنی مذہبی ثقافت کی نشر و اشاعت اور اس کی اہم ترین اساس کی طرف توجہ دلانا ہے اور وہ ہے آئمہ شیعہ کا دوسروں کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار ہونا۔

یہاں اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ قبر امام حسین کی زیارت کا عمل آپ کی شہادت کے چالیس دن بعد شروع ہوا۔ جب امام کے اہل بیت اور بعض ساتھیوں پر مشتمل قافلہ قبر پر سلام کرنے کے لئے کربلا پہنچا اور پھر ہر سال کربلا کی طرف سفر کے لئے قافلوں کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی قبر پر زیارت کے نام سے ہونے والے اجتماعات کے پس منظر میں مخفی اسباب پر ایک بار پھر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ دراصل یہ ان شیعہ حضرات کے مابین ملاقاتوں کا سلسلہ تھا جو دور دراز شہروں سے چل کر حصول ثواب، شیعی مذہب کی اشاعت اور اس خلافت کے خلاف اظہار نفرت کے لئے آتے تھے جو بادی الامر میں بنو امیہ میں اور بعد ازاں بنو عباس میں قرار پا چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی شیعہ کی صفوں میں وحدت کا اظہار اور

شیعی مذہب کے اھداف و مقاصد کی نشر و اشاعت کا طریقہ بھی تھا۔

اسی لئے جب میں ائمہ شیعہ کی طرف منسوب (ہمارے پاس موجود) ان روایات کو پڑھتا ہوں جو لوگوں کو قبر حسین کی زیارت پر برانگیختہ کرتی ہیں تو مجھے ہرگز کوئی تعجب نہیں ہوتا مثلاً بعض روایتوں میں ہے

لکل خطوة یخطوها الزائر فی سبیل
زیارة الحسین له قصر فی الجنة "

"یعنی زائر کے لئے حضرت حسین کی زیارت کے راستے
میں ہر قدم کے بدلے جنت میں ایک محل ہے"

حتیٰ کہ انہوں نے کربلا کو کعبۃ اللہ سے بھی اعلیٰ مقام دے دیا ہے ایک شیعہ شاعر کہتا ہے۔۔

دفی حدیث کربلا والکعبه
لکربلا بان علو الرتبه

"کربلا اور کعبہ کے متعلق گفتگو ہوئی تو پتہ چلا کہ کربلا
کو کعبہ سے بلند مرتبہ حاصل ہے"

ایسے ہی بعض دوسری روایات میں ہے

إن من بکی علی الحسین
أو تباکی غفر له ما تقدم من ذنبه
وما تأخر۔

"جس شخص کو حضرت حسین پر رونا آئے یا تکلف سے
روئے اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ اور آئندہ تمام گناہ
معاف کردیتا ہے"

ان روایتوں کی تالیف اور انہیں آئمہ کی طرف منسوب کرنے سے کربلا کی طرف سفر کے لئے جد و جہد کو حیرت ناک توانائی حاصل ہو گئی حالانکہ اس زمانے میں کربلا کا سفر سخت پر مشقت اور پُر خطر تھا۔ انہی روایات کی بدولت خلافت بنوامیہ وعباسیہ کے عہد میں کربلا محرم الحرام اور صفر میں بڑے بڑے شیعی مظاہرات کا مشاہدہ کرتا تھا خصوصاً دس محرم الحرام کو کہ وہ یوم شہادت حسینؓ ہے۔ اور یہاں جمع ہونے والے زائرین خاموشی کے ساتھ امام کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں زیارتوں کی قرأت کے وقت اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرتے ہیں اور یہ ان کا ایک ثقافتی شعور ہوتا ہے جس کے پس پردہ علماء و دانشوروں نے بڑی کاوش اور دانائی سے ایک خاکہ تیار کیا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ شیعہ کو ایک خاص راستے پر جمع کرتے ہیں جو کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

بلاشبہ ان زیارتوں کی تالیف کے لئے خاکہ وضع کرنے والے بڑے عبقری ثابت ہوئے کہ وہ اموی اور عباسی عہدِ خلافت میں شیعہ نفسیات کو صحیح معنوں میں سمجھ پائے تبھی تو یہ زیارتیں معرض وجود میں آئیں جنہیں خاص مذہبی ایام میں شیعہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا گویا کہ یہ عملی خلافت کے خلاف ایک منظم تحریک تھا اس طرح ان زیارتوں کی صورت میں مذہبی ثقافت وسیع پیمانے پر عام اور شائع ہو رہی تھی باوجود اس کے کہ حکومتِ وقت اس کے خلاف تھی اور یہ سب کچھ اس دور میں ہوا جب صحافت، عام مدارس، ہمہ گیر نشریات، ذرائع ابلاغ و وسائل اور گروہی تنظیموں کا رواج نہیں تھا اسی لیے یہ امر ہمارے لئے باعث تعجب نہیں ہے کہ عباسی خلیفہ المتوکل نے لوگوں کو امام حسین کی قبر کی زیارت سے منع کر دیا تھا اور اسے اکھاڑ دینے کا حکم دیا تھا تاکہ لوگوں کے لئے اس کے نشانات بھی مٹ جائیں۔

اور آج جب کہ وہ تمام صورت حال ختم ہو چکی ہے اور عالم اسلام میں کہیں بھی اموی اور عباسی خلافت کا نام و نشان باقی نہیں رہا اور نہ ہی خلفاء اور خلافت کے بارے میں وہ فکری تصادم ہے کیا اب بھی شیعہ لوگ اسی راستہ پر چلنا پسند کریں گے جس پر وہ تقریباً تیرہ صدیوں سے چل رہے ہیں کہ آئمہ کی قبروں کے پاس کھڑے ہو کر اس کلام کو دہراتے رہیں جسے

صدیوں تک دہراتے رہے ہیں حالانکہ اس سے کسی فائدے کی توقع ہے نہ اس پر کوئی مذہبی اثر مرتب ہوتا ہے، ماسوا ان خالص دعاؤں والے چند فقروں کے جو ان زیارتوں میں صرف تھوڑے سے حصے میں ہوتے ہیں نیز ہم کب تک مخلوق کے کلام کو خالق کے کلام پر اہمیت دیتے رہیں گے خود ائمہ کرام اپنی قبروں کے پاس پڑھے گئے ان رلا دینے والے خطبوں سے کیا فائدہ حاصل کرتے ہیں کیا فی الواقع یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کریں اور اپنے آئمہ کی قبروں کے پاس قرآن کریم کی آیات تلاوت کریں اس میں نہ صرف زائر کے لئے ثواب و رحمت اور نور و ہدایت ہے بلکہ صاحب قبر کو بھی کچھ حاصل ہوتا ہے خواہ وہ ولی یا امام ہی ہو۔

اصلاح

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ زیارتیں جو شیعہ کتب بھری ہوئی ہیں اور ہر شیعی انہیں اپنے گھر میں رکھتا ہے اور جب مشاہد اہل بیت میں سے کسی مشہد کی زیارت کرتا ہے تو انہیں پڑھتا ہے یہ زیارات شیعہ ثقافت کی ترجمان ہیں اور اس عہد میں مرتب کی گئیں جب کہ شیعہ کو مذہبی ثقافت سے روشناس کرانے کی ضرورت تھی مجھے یقین ہے کہ ان زیارتوں میں موجود بعض فقرے جن میں اماموں کو بعض مافوق البشر صفات دینے کا ذکر ہے جو اللہ کی صفات کے قریب یا ان میں شریک ہیں اگر امام علی رضی اللہ عنہ سن لیتے تو ان کی تلاوت کرنے والوں اور تالیف کرنے والوں پر برابر حد جاری کرتے۔

یہاں میں تمام روئے زمین کے شیعہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ تھوڑی دیر کیلئے اپنے اس عمل (زیارت قبور) پر غور کریں جس میں وہ مذکورہ عبارتیں تلاوت کرتے ہیں جو نہ ان کے لئے کسی خیر کا باعث ہیں اور نہ ہی آئمہ کے لئے جیسا کہ میں اپنی یہ بات بھی دہراؤں گا کہ اسکی ذمہ داری مذہبی قیادت پر ہے جس نے شیعہ کو اس راستے پر چلنے کا عادی بنایا ہے میں نے آج تک کسی قابل اعتماد شیعہ کو نہیں دیکھا کہ وہ مشاہد ائمہ میں سے کسی مشہد پر حاضری

دینے گیا ہو اور اس نے مشہد کے پاس کھڑے ہو کر ان زیارتوں کی قرأت پر تلاوت قرآن کو ترجیح دی ہو۔ مجھے نہیں معلوم ہو سکا کہ ہم شیعہ لوگوں کا کلام اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کے کلام کی طرف زیادہ جھکاؤ کیوں ہے حتیٰ کہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ زیارت امام ہی سے صادر ہوئی ہے تو بھی آخر ہم امام کے کلام کو کلام اللہ پر کیوں افضلیت دیں۔ اگر زیارت کا مقصد ثواب اخروی کا حصول ہے تو قرأت قرآن کریم اس ثواب کی ضامن ہے اور اگر مقصدِ زیارت تکریم امام ہے تو بھی قرأت قرآن ہی اس کی ضامن ہو سکتی ہے۔

مجھے اس بات کا علم اور یقین ہے کہ میری تصحیح کی دعوت غور و فکر کو ان روایتی جواب کا سامنا ہو گا جو ہم مدت مدید سے اپنے فقہا۔ سامحہم اللہ۔ سے سنتے آرہے ہیں کہ یہ زیارتیں ہمارے ائمہ سے منقول ہیں اور یقیناً وہ اس معاملے کو ہماری نسبت بہتر جانتے تھے میں اس موقع پر اپنے ائمہ سے تو بحث و تکرار نہیں کر سکتا کہ ہمارے اور ان کے درمیان موت و حیات کا پردہ حائل ہے لیکن اگر میں امام علی بن محمد کے زمانے میں موجود ہوتا اور ان کی معیت میں قبر حسینؓ پر حاضری دینے جاتا اور انہیں " الوارث" اور "الجامعہ" جیسی زیارتیں قبر امام کے پاس تلاوت کرتے سنتا تو میرا ان کے ساتھ درج ذیل مکالمہ ضرور ہوتا

میں کہتا : اے فرزند رسول یہ زیارت اللہ کا کلام ہے یا مخلوق کا کلام؟

امام : مخلوق کا کلام۔

میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ : کلام اللہ افضل ہے یا کلام مخلوق؟

امام : کلام اللہ افضل ہے۔

میں ایک بار پھر پوچھتا : تو پھر آپ نے کلام اللہ پر مخلوق کے کلام کو فضیلت کیوں دی؟ اور تلاوتِ قرآن کیوں نہ کی؟

معلوم نہیں امام موصوف اس نقطے پر پہنچ کر مجھے کیا جواب دیتے۔

اس قسم کی تصوری ملاقات اور گفتگو کا یہ مطلب نہیں کہ میں یہ عقیدہ

رکھتا ہوں کہ زیارتیں ائمہ شیعہ سے منقول اور صادر ہوئی ہیں یہ تو میں بعید ترین احتمال تک پہنچا ہوں تاکہ ان لوگوں کا راستہ روک سکوں جو ہر چیز کی ترویج میں عمل امام کو ذریعہ بناتے ہیں

میں اس فصل کو اس حدیث پر ختم کرتا ہوں جو کتب صحاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

ترکتُ فیکم الثقلین کتاب اللہ وسُنتی مَاان تمسکتم بھما لن تضلوا من بعدی أبداً

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں کتاب اللہ اور اپنی سنت جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے"

شیعہ یہی حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں۔

ترکتُ فیکم الثقلین کتاب اللہِ وعترتی أھلِ بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا من بعدی أبداً

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور خاندان نبوت اپنی آل جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے میرے بعد کبھی ہرگز گمراہ نہیں ہو گے"

شیعہ کیلئے یہ بات کس قدر بہتر خوب تر اور باعث فضیلت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجا لائیں اور اس حدیث کے مطابق جسے وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کتاب اللہ اور عترت رسول کو ایک جگہ جمع کر کے بیک وقت دونوں پر عمل کریں۔ اھ

عاشوراء محرّم

کو سنگینوں اور زنجیروں سے ماتم کرنا

"کسی مقدس انقلابی تحریک کی صورت اس طرح نہیں بگاڑی گئی جس طرح شیعہ نے حسینؓ کی تحریک کا حلیہ محبت حسین کے ذریعے بگاڑا ہے۔"

ضرورت کا تقاضا ہے کہ ہم دس محرم کو امام حسینؓ کے غم میں آہنی زنجیروں سے کندھے پیٹنے، تلواروں اور سنگینوں سے سر پھوڑنے کا ذکر مستقل فصل میں کریں۔

چونکہ یہ بدصورت مظاہرہ تاحال شہادت حسینؓ کی یاد میں منعقد ہونے والی تقریبات و مجالس کی رسموں کا حصہ ہے اور ہر سال ایران، پاکستان، ہندوستان اور لبنان کے نبطی علاقہ میں برپا ہوتا ہے اور پاکستان کے بعض علاقوں میں تو اہل السنت اور شیعہ کے درمیان خونی معرکے کا سبب بنتا ہے۔ فریقین کی سینکڑوں بے گناہ جانیں اس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم گزشتہ فصل میں کہہ چکے ہیں کہ شیعہ کئی صدیوں سے عاشوراء محرم کا دن بطور یادگار مناتے ہیں ان زیارتوں کی قرائت کے علاوہ جن کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں اس دن شیعہ شعراء قبرِ حسینؓ کے پاس اپنے قصائد بھی پیش کرتے ہیں حتیٰ کہ ایک عربی شاعر "شریف رضی" نے جب قبرِ حسینؓ کے پاس اپنا "عصماء" نامی قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے۔ کربلاءُ لازلت کرباً و بلا

اور جب درج ذیل شعر پر پہنچا:

كم على تربك لما صرعوا
من دم سال ومن قتل جرى

تیری قبر پر جب معرکہ بپا ہوا تو کس قدر خون بہا اور

اور کتنے ہی قتل ہوئے"

تو رونے لگا اور اس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آئمۂ شیعہ محرم کی دس تاریخ کو اہتمام سے مناتے اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے، زائرین سے تعزیتیں قبول کرتے، اس دن لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے، ان کے سامنے حضرت حسینؓ اور رسول اللہ صلعم کے اہلِ بیت کے فضائل اور ان کی شہادت کی یاد میں قصیدے پڑھے جاتے اور خطبے دیتے۔

زائرین کربلا میں اور قبر حسینؓ کے پاس جلوس کی صورت میں اور انفرادی طور پر گزرتے اور گریہ زاری کرتے ہوئے مذکورہ زیارتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ بھی کہ احتفال و زیارت کا حصہ ہوتا ہے اور یہ رسم جو شیعی دنیا میں امام حسینؓ کے لئے منعقد مجالس میں اب تک جاری ہے اس کا خاتمہ لازماً آہ و بکا پر ہوتا ہے کیوں کہ،

"من بکی أو تباکی علی الحسین وجبت علیہ الجنۃ"

"جو شخص حسینؓ کے غم میں رویا یا مکر سے آنسو بہائے اس کے لئے جنت واجب ہے"

جیسا کہ ائمہ کی طرف منسوب بعض روایتوں میں ذکر ہے (نعوذ باللہ کیا آئمہ ایسی بات کہہ سکتے ہیں؟)

ایسے ہی شیعہ امام حسینؓ کے غم میں محرم و صفر میں سیاہ لباس پہنتے ہیں اور اس سیاہ پوشی کی عادت نے اس وقت خاصی وسعت اختیار کر لی جب شیعہ اور تشیع میں پہلا معرکہ بپا ہوا اور جب شیعہ سیاسی اور اسلامی سٹیج پر ایک ایسی قوت بن کر ابھرے جو برسر اقتدار خلافت کو ملیامیٹ کر دینا چاہتی تھی۔

عاشورہ محرم کی تقریبات کی ترویج و ترقی میں بو یہی خاندان کا بھی

بڑا واضح کردار ہے جنہوں نے ایران و عراق پر خلافت عباسیہ کی حمایت بہ کہ نام ہے حکومت
کی لیکن ان مغلوں نے اس وقت عام رواج پکڑا اور شیعی طبیعت و مزاج کا گویا حصہ بن گئیں
جب شاہ اسماعیل صفوی نے زمام اقتدار سنبھالی اور ایران کو شیعیت میں داخل کر دیا
اور اہلِ ایران میں مذہب کے ساتھ خصوصی تعلق پیدا کر دیا تاکہ ایران کے پڑوس میں واقع
ممالک خلافت عثمانیہ کے مقابلے میں ڈٹ جائیں جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں اور
صفوی شاہی دربار ہر سال عشرہ محرم میں سوگ منانے کا اعلان کرتا اور عاشوراء کے دن
تقریب کے لئے آنے والوں کا استقبال شاہ خود کرتا شاہی محل سرا میں اس غرض سے
خاص محفلیں منعقد ہوتیں جس میں عام لوگ جمع ہوتے اور شاہ بذات خود ان میں حاضری
دیتا۔ ایسے ہی شاہ عباس اول صفوی جس نے پچاس برس حکومت کی اور وہ شاہان
صفویہ میں قوت، گرفت، اور مکاری و عیاری میں سب سے بڑھا ہوا تھا وہ بھی عاشوراء
محرم کو سیاہ لباس پہنتا اور اپنی پیشانی پہ کیچڑ مل لیتا اور جلوس جب امام کی مدح
اور ان کے قاتلوں کے خلاف اظہار نفرت کرنے کے لئے مرثیے گاتے ہوئے سڑکوں
پر چلتے تو شاہ مذکور ان کی قیادت کرتا تھا۔

ہمیں یہ تو بالضبط معلوم نہیں ہو سکا کہ عاشوراء کے دن آہنی زنجیروں
سے کندھے پیٹنے کا آغاز کب ہوا اور ایران، عراق وغیرہ جیسے شیعی علاقوں میں اس
رسم نے کب رواج پایا لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تلواروں سے سرکوبی اور سر
زخمی کر کے عاشوراء محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اظہار غم کا طریقہ ایران اور عراق میں ہندوستان
سے انگریزی استعمار کے زمانے میں گیا ہے اور انگریز شاطر نے شیعہ کی جہالت، سادگی اور
امام حسین کے ساتھ اندھی عقل سوز محبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں امام کے غم
میں سرکوبی کی تعلیم دی۔

حتیٰ کہ ماضی قریب میں بھی بغداد اور تہران میں برطانوی سفارت خانے

حسینی تعزیہ کے جلوسوں کی مدد کرتے رہے ہیں جو اسی مذکورہ بالا بدترین مظاہرے کی شکل میں گلیوں اور بازاروں میں چکر لگاتے تھے انگریزی استعمار کے ان بدترین جلوسوں کی کاروائی کی ترویج واشاعت کے پس پردہ انتہائی مکروہ سیاسی مقاصد تھے وہ ان کی نمائش کو برطانوی عوام اور آزاد اخبارات کے سامنے جو حکومت برطانیہ کے ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں نوآبادیاتی نظام کی مخالفت کر رہے تھے بطور ایک معقول وجہ جواز کے پیش کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ان ممالک کے عوام کے وحشیانہ مظاہرے سے یہ ثابت کر سکے کہ یہ قومیں کسی ایسے منتظم کی محتاج ہیں جو انہیں جہالت و بربریت سے نکال سکے۔ یہ تعزیتی جلوس جو دس محرم کو عام بازاروں کے چکر لگاتے ان میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے جو آہنی زنجیروں سے اپنی پیٹھوں کو لہولہان کر لیتے تلواروں اور خنجروں سے اپنے سروں کو زخمی اور خون آلود کر لیتے ان کی تصویریں یورپ کے انگریزی اخبارات میں چھپ جاتیں اس سے شاطر سامراجی یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جن اقوام کی ثقافت کا مظہر یہ تصویری جھلکیاں ہیں۔ نوآبادیاتی نظام کے ذریعے ان ممالک کے عوام کو شہریت و ترقی کے راستے پر گامزن کرنا ہماری انسانی ذمہ داری ہے۔

کہتے ہیں کہ عراق میں انگریزی عہد اقتدار میں اس وقت کے عراقی وزیراعظم یاسین ہاشمی جب انگریزی راج ختم کرانے کے لئے مذاکرات کرنے لندن گئے تو انگریز نے ان سے کہا ہم تو صرف اس لئے عراق میں رکے ہوئے ہیں کہ عراقی قوم کو احمقانہ انارکی سے نکالیں تاکہ وہ ہم دوشِ سعادت ہو سکے۔ یاسین ہاشمی اس بات پر برافروختہ ہو کر غصے کی حالت میں کمرۂ مذاکرات سے باہر نکل آئے تو انگریز نے ان سے بڑی لجاجت اور نرم خوئی سے معذرت کر لی پھر پورے احترام سے ہاشمی کو عراق کے بارے میں ایک دستاویزی فلم دیکھنے کو کہا جس میں نجف، کربلاد اور کاظمیہ کی شاہراہوں پر چکر لگاتے ہوئے تعزیہ حسین کے جلوس دکھائے گئے تھے جو بڑے خوفناک

اور قابلِ نفرت منظر پیش کر رہے تھے گویا انگریز یہ کہنا چاہتا تھا کہ جس قوم میں ذرہ بھر بھی تہذیب کا حصّہ ہو وہ خود اپنے ساتھ یہ مار دھاڑ کر سکتی ہے؟

یہاں ایک پُر لطف، روشن خیال اور حکمت پر مشتمل مکالمہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، یہ گفتگو میں نے تیس برس قبل شیعہ فرقہ کے ایک بڑے عالم اور شیخ سے سُنی تھی۔ وہ باوقار، کبیر السن شیخ دس محرم کے دن دوپہر بارہ بجے مقام کربلا میں روضہ حسینؓ کے قریب میرے پاس کھڑا تھا اسی اثناء میں ایک جلوس بھنگڑا ڈالتا ہوا آیا سروں کو تلواروں سے زخمی کئے ہوئے، غم حسین میں خون بہاتے ہوئے ایک جم غفیر روضہ حسین پر وارد ہوا پیشانیوں اور پہلوؤں سے بھی خون بہہ رہا تھا انتہائی قابل نفرت شکل میں جسے دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے پھر اس کے پیچھے ایک اور جلوس آگیا وہ بھی بہت بڑی تعداد میں تھا اور زنجیروں سے اپنی کریں پیٹ کر خون آلود کئے ہوئے تھے ان جلوسوں کو دیکھ کر وہیں اس بوڑھے شیخ اور وسیع الظرف عالم نے کچھ سوالات کئے اور ہمارے مابین درج ذیل گفتگو ہوئی۔

شیخ نے پوچھا: ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے یہ خود ہی اپنی جانوں کو ان مصائب و آلام میں مبتلا کئے ہوئے ہیں؟

میں نے کہا: آپ سن نہیں رہے یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ ہائے حسینؓ ہائے حسینؓ تو پکار رہے ہیں جس کا مطلب واضح ہے کہ یہ ماتم حسینؓ میں اپنی یہ حالت بنائے ہوئے ہیں۔

پھر شیخ نے نیا سوال کیا، کیا حسینؓ اس وقت قادر مطلق بادشاہ کے پاس پاک مقام میں نہیں ہیں؟

میں نے کہا، یقیناً وہیں ہیں۔

شیخ نے پھر پوچھا، کیا اس وقت حسینؓ اس جنت میں نہیں ہیں

جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی طرح ہے وہ متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے ؟

میں نے کہا ، ہاں (بالکل اسی جنت میں ہیں)

شیخ نے سوال کیا ، کیا جنت میں بڑی بڑی آنکھوں والی تہ کیے ہوئے آبدار موتیوں کی طرح حوریں نہیں ہیں ؟

میں نے کہا ، ہیں ۔

شیخ نے ٹھنڈی آہ بھری اور رنج و غم سے بھرپور لہجے میں کہا ، صد افسوس ان بد دماغ جاہل لوگوں پر کہ یہ اس وقت امام مرحوم کی خاطر اپنی یہ حالت بنائے ہوئے ہیں جب کہ امام اسی لمحے جنت اور اس کی نعمتوں میں ہیں اور دائم نوجوان خدمت گزار ان کے آس پاس آفتابے ، آب خورے اور شراب ناب کے گلاس لے کر پھر رہے ہیں ۔

سنہ ۱۳۵۲ ہجری میں جب شام کے سب سے بڑے شیعی عالم سید محسن امین عاملی نے ان جیسے اعمال کے حرام ہونے کا اعلان کیا اور اپنی رائے کے اظہار میں عدیم النظیر جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ طوفان برپا کرنے سے باز آجائیں تو انہیں علماء کی صفوں میں سے ہی بعض مذہب کے ٹھیکیداروں کی طرف سے بڑی زور دار مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور مذہب کے ان اجارہ داروں کے پیچھے حضرت علی رض کے الفاظ میں " کمینے ، بے لگام اور بیوقوف " لوگوں کی طاقت تھی اور قریب تھا کہ سید امین کے یہ اصلاحی اقدامات ناکامی سے دوچار ہوتے اگر ہمارے دادا مرحوم سید ابوالحسن شیعہ کے زعیم اعلیٰ کی حیثیت سے ان کے موقف کی تائید کر کے ان کی پشت پناہی نہ کرتے ، جد امجد نے ان اعمال کے خلاف سید امین کی رائے کے حق میں غیر مشروط تائیدی اعلان کیا اور اس کی حمایت میں فتویٰ جاری فرمایا ۔

سید امین کی اصلاحی تحریک کے حق میں ہمارے دادا مرحوم کے تائیدی موقف کے بڑے دور رس اثرات ظاہر ہوئے اگرچہ سید ابوالحسن کے خلاف بعض مجتہدین

اور فقہاء نے آواز اٹھائی جیسا کہ اس سے قبل سید امین کا ان سے پالا پڑا تھا مگر سید ابوالحسن نے بالآخر اپنے ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ کی وجہ سے سب کو زیر کر لیا اور جمہور شیعہ نے اس بزرگ ترین راہنما کا فتویٰ تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت شروع کر دی اور آہستہ آہستہ ان اعمال شنیعہ میں کمی واقع ہونے لگی اور یہ شیعیت کی سکرین سے غائب ہونے لگے لیکن اس کے آثار بالکل مٹنے نہ پائے تھے بلکہ کچھ کمزور سے مظاہر ابھی باقی تھے کہ جد امجد رحمہ اللہ ۱۳۶۵ھ میں وفات پا گئے تو شیعیت کی نوخیز لیڈر شپ نے نئے سرے سے لوگوں کو ان اعمال پر اکسانا شروع کر دیا اور ان کے اثرات پھر سے شیعی دنیا میں رونما ہونے لگے لیکن وہ حد کمال دوبارہ نہیں آئی جو ۱۳۵۲ھ سے پہلے تھی۔

اور جب ایران میں اسلامی جمہوریت کا اعلان ہوا اور اقتدار پر ولی فقیہ نے قبضہ کیا تو مذہبی سیاست کے حصے کی حیثیت سے ان اعمال کے احیاء کے احکام صادر ہوئے اور تازہ دم اسلامی جمہوریہ نے پوری دنیا میں موجود شیعہ کو مالی اور اخلاقی مدد کر کے اس بدعت کے احیاء کے لئے برانگیختہ کیا جسے انگریزی استعمار نے دو سو برس قبل عالم اسلام کے شیعی ملاقوں میں رواج دیا تھا انگریز کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا یہ قبیح اور بدنما منظر دنیا کے سامنے پیش کر کے عالم اسلام پر اپنے استعمار کا جواز حاصل کرے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس وقت جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں صد افسوس کہ پاکستان، ایران، ہندوستان اور لبنان کے شہروں میں دس محرم کو ہر سال بڑے بڑے جلوسوں کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی وحشیانہ صورت میں سڑکوں پر گشت کرتے ہیں جس کی ہم تصویر کشی کر چکے ہیں اور پھر اسی روز خوفناک جنون اور انسانی حماقت کی منہ بولتی تصویریں مشرق و مغرب کی ٹی وی سکرین پر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں پر برے وقت کا انتظار کرنے والے دشمنانِ اسلام کی تقویت کا باعث بنیں۔

اصلاح

امامیہ شیعہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاہل عوام کو ہر ممکن کوشش کر کے اس قسم کے کاموں سے روکیں جنہوں نے حضرت امام حسینؓ کی انقلابی تحریک کا چہرہ مسخ کر کے اس کی شکل بگاڑ دی ہے اور مبلغ اور واعظ حضرات پر تو اس سے بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ اس بارے میں واضح ترین کردار ادا کریں یہاں میں پوری صراحت و وضاحت سے اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ عاشورۂ محرم کو شہادت حسین کا مقصد و سبب اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ تھا جس کی تصویر آج شیعہ پیش کرتے ہیں آپ نے ہرگز جام شہادت اس لئے نوش نہیں کیا تھا کہ لوگ ان کے غم میں روئیں، چہرے پیٹیں، اور درماندہ مسکین کی سی صورت اختیار کریں بلکہ امام ممدوح تو ظلم و استبداد کے مقابلے میں شجاعت و بہادری، عزم بالجزم اور جان تک قربان کر دینے کا مؤثر ترین درس دینا چاہتے تھے چنانچہ (اگر ضروری بھی ہو تو) شہادت حسین کی یاد میں منعقد محفل امام کے مقام و مرتبہ کے شایانِ شان اور طوفان بدتمیزی، جہالت، بیک وقت مضحکہ خیز اور رُلا دینے والے اعمال سے ہٹ کر ہونی چاہیے۔ وہ ثقافتی اجتماعات کس قدر خوبصورت ہوں جن میں بلیغ خطبے اور قصائد پیش کئے جائیں جو راہ حق میں جان دینے اور جہاد کرنے سے متعلق ہیں۔

اس طریقے سے تعمیری انداز میں حسینؓ کی یاد میں اپنی تربیت کرنی چاہیے تخریبی انداز اختیار کر کے اپنے کو ہلاک نہیں کرنا چاہیے اور ہم پر یہ فرض ہے کہ حمایت و مدافعت کے میدان میں حسین کا حق ادا کریں نہ کہ مسئلے کا حلیہ بگاڑ کر موصوف کے ساتھ اہانت و بدسلوکی کے مرتکب ہوں۔ اگر ہم امام حسینؓ کے ساتھ محبت و نصرت کا جذبۂ صادق رکھتے ہیں تو ہمیں مذکورہ طریقۂ کار اختیار کرنا ہوگا۔

تیسری شہادت

"شیعہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اس اعتقاد سے (اذان میں) تیسری شہادت کہتا ہے کہ وہ شریعت میں وارد ہے، وہ حرام عمل کا مرتکب ہوتا ہے۔"

سید مرتضیٰ جو پانچویں صدی ہجری کے اکابر علماء شیعہ امامیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں جس نے نمازوں کی اذان میں (اشہد اَن علیاً ولی اللہ) کہا اس نے حرام عمل کا ارتکاب کیا۔ اس رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں اس تیسری شہادت کا اضافہ غیبت کبریٰ کے بعد کیا گیا ہے لیکن مذہبی واقعات میں رسمی طور پر اس کا اظہار اس وقت ہوا جس وقت شاہ اسماعیل صفوی نے ایران کو تشیع میں داخل کیا اور اس نے موذنوں کو حکم دیا کہ چبوتروں پر نماز کے وقت کہی جانے والی اذان میں تیسری شہادت کا اضافہ کریں اس طرح اس نے علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کا مستقل مقام دے دیا وہ دن اور آج کا دن تب سے پوری دنیا میں شیعہ کی تمام مساجد میں یہی طریقہ جاری ہے جسے صفوی حکمران نے وسعت و ترویج دی۔ ہم مشرق و مغرب کی ایک بھی شیعہ مسجد اس سے مستثنیٰ نہیں کر سکتے۔

اس سلسلے میں دلچسپ اور باعث تعجب بات یہ ہے کہ ہمارے فقہاء سابقہم اللہ۔ کا اس پر مطلق و مکمل اجماع ہے کہ اس شہادت کا اذان میں اضافہ عصر ائمہ کے دیر بعد ہوا ہے اور چوتھی صدی تک اسے کوئی نہیں جانتا تھا اور اس پر سب فقہاء متفق ہیں کہ اگر امام علی رضی اللہ عنہ بقید حیات ہوتے اور اپنے بارے میں سن لیتے کہ ان کا نام اذان میں پکارا جاتا ہے تو ایسا کہنے والے پر شرعی حد نافذ کرتے۔

اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ ہمارے فقہاء میں سے کسی نے اسے منع نہیں کیا بلکہ ان چند فقہاء کے خلاف مخالفانہ موقف اختیار کیا جنہوں نے اس بدعت کے خلاف آواز اٹھائی اور انہیں شیعیت سے خروج اور علیؓ اور ان کی اولاد سے لاتعلقی کے طعنے دیئے اور انہیں یکہ وتنہا چھوڑ دیا عوام اور جاہل لوگ بھی اسی اکثریت کے نقش قدم پر چلے۔

اس سے اندھے تعصب کا پتہ چلتا ہے جو بیک وقت بعض فقہاء اور جاہلوں کے دلوں کو اپنی پیٹ میں لئے ہوئے ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

میں اس مسئلہ پر اپنے فقہاء کے ساتھ مجادلہ کرکے اکتا چکا ہوں کہ وہ گزشتہ کئی صدیوں سے ایک ہی نوعیت کے جواب دینے کے عادی ہو چکے ہیں اور ان جوابات میں کوئی نئی بات نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ تیسری شہادت نماز کا جزو تو نہیں ہے کہ اس سے نماز فاسد ہوتی ہو اس لئے اس کے اضافے کی کوئی وجہ ممانعت نہیں ہے۔

ہم ان سے کہتے ہیں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تیسری شہادت نماز کا جزو ہے یا نہیں بلکہ مسئلہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ اذان کے الفاظ رسول اللہ نے متعین فرمائے لہذا یہ الفاظ سنت توقیفی ہیں ان میں کسی کمی یا اضافے کا جواز نہیں ہے خواہ اضافی کلمات اپنی جگہ درست، صحیح اور مبنی برحقیقت ہی ہوں۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ تیسری شہادت اب شیعہ فرقہ کا شعار بن چکی ہے۔

ہم نے ان سے کہا کہ شیعیت کی نسبت اسلام کا شعار زیادہ اہم ہے کیا شیعہ اسلام سے الگ کوئی فرقہ ہے اور اسے اپنی شناخت کے لئے الگ نشان کی ضرورت ہے۔

یہاں پہنچ کر وہ اپنی ذمہ داری دوسروں کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہتے ہیں۔ ہم شیعہ سے اذان میں سے تیسری شہادت ترک کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ اب وہ ان کی طبیعت کا حصہ بن چکی ہے اور شیعہ اس سے اسی طرح دلچسپی رکھتے ہیں

جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کے دودھ سے۔ اس طرح ہماری بات گرد و غبار کی طرح ہوا میں اڑ جاتی ہے۔

ہم ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اکٹھے ہو کر ایک رائے کا اظہار کرو اور پوری صراحت اور شجاعت سے حکمِ الٰہی بیان کرو تو کوئی بھی اس کی اطاعت سے گریز نہیں کرے گا بصورت دیگر تمہاری ذمہ داری حکمِ الٰہی بیان کر دینا ہے اسے نافذ کرنا تو نہیں ہے۔

ان فقہاء کا ایک جواب یہ بھی ہوتا ہے کہ خلیفہ عمر بن خطاب نے اذان میں سے " حی علی خیر العمل " حذف کر کے اس کی جگہ " الصلاۃ خیر من النوم " کے نفاذ کو دی۔

ہم کہتے ہیں ، اولاً تو الزامی جواب حق کو مسترد کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور اگر یہ بات درست ہوتی تو امام علیؑ اپنے عہد خلافت میں اسے برقرار نہ رکھتے بلکہ اس جملے کو تبدیل کرنے کا حکم دیتے اور شیعہ کی منطق کے مطابق اگر امام کا عمل صحیح ثابت ہو جائے تو حجت ہوتا ہے۔ نیز اس پر تمہارے نزدیک اجماع ہے کہ تیسری شہادت عہد نبوی میں نہیں پائی جاتی تھی اور نہ ہی عصر آئمہ میں اس کا وجود تھا بلکہ دیر بعد اذان میں اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

جب کہ " الصلاۃ خیر من النوم " کی عبارت ایک اختلافی امر ہے شیعہ کے علاوہ تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ یہ عہد رسولؐ سے وارد ہے بخلاف شیعہ کے جو اسے خلیفہ عمر بن خطاب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ایک اجماعی مسئلہ جس میں دو فقیہ بھی آپس میں اختلاف نہ کرتے ہوں اور ایک اختلافی مسئلہ جس میں متعدد، مختلف اور متضاد آراء ہوں، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اصلاح :۔ ۱۔ مجھے قطعاً اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تیسری شہادت جواب شیعہ

کے ہاں مسجدوں میں اذان کا جزو بن چکی ہے اور انفرادی وشخصی عمل سے بڑھ کر شیعہ کا اجتماعی اور مذہبی مزاج اور جذباتی مسئلہ بن چکی ہے اب اسے تبدیل کرنا آسان نہیں رہا بالخصوص ایسے علاقے میں جہاں ایک ایسی مذہبی حکومت قائم ہے جو دینی جذبات کو ہوا دے کر ان سے اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ سیاسی معرکوں میں فائدہ حاصل کرتی ہے جن کے باشندوں کی اکثریت سُنیوں پر مشتمل ہے اسی لئے ایران میں تصحیح کی مساعی کو زبردست دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور تمام اصلاحی اقدامات کے ساتھ جن کے حق میں ہم نے ایران میں آواز بلند کی یہی سلوک ہوا۔

وہ دن بھی آئے گا جب ایران کی انتہا پسند اسلامی جمہوریت کا نظام تبدیل ہوگا اور اس کی جگہ اعتدال پر مبنی نظام لے گا جس کی ترجیحات مسلمانوں کا اتحاد اور اسلامی مفاد ہوں گی اس وقت تصحیح کے نعرے کو قبولیت حاصل ہونا جس میں میری شہادت شامل ہے ایک طبعی امر ہوگا لیکن فی الوقت ہم ایران کے علاوہ جہاں کہیں بھی شیعہ ہوں اور انہیں ہماری یہ ندائے اصلاح و تصحیح پہنچ رہی ہو ان سے ہم یہی مطالبہ کریں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ کے عہد میں جو الفاظ اذان معروف و منتشر تھے انہیں واپس لانے کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔ فرزندانِ شیعہ میں سے صاحبِ نظر اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ جس مذہب کی طرف وہ اپنی نسبت کرتے ہیں اس کی اصلاح و تصحیح کے لئے بھرپور کردار ادا کریں۔

میں ایک بار پھر اپنے فقہاء سے قنوطیت اور یاس کا اظہار کرتا ہوں مجھے ان سے کوئی امید نہیں ہے کہ وہ حق بات کہیں گے اور اس خندق میں ہمارے دوش بدوش ڈٹ سکیں گے بلکہ وہ تو اس کے برعکس اس بدعت کی تائید اور مساجد میں اس پر عمل کرنے میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ شدت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اللہ کی قسم! اگر آج حضرت علیؑ بقید حیات ہوتے اور نماز کے لئے اذان میں مناروں سے اپنا نام ذکر ہوتا سنتے تو اسے جاری کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے

دونوں پر برابر حد نافذ کرتے۔ ہم بھی عجیب لوگ ہیں کہ علیؓ کی خاطر ایک ایسا عمل کرتے ہیں جسے وہ خود بھی پسند نہیں فرماتے۔

ہم ایک بار پھر اپنی اس اصلاحی تحریک کے ضمن میں شیعہ سے مطالبہ کریں گے کہ وہ اس اذان کی طرف رجوع کریں جو بلال حبشیؓ نے مسجد رسول اللہؐ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام جن میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ کی موجودگی میں کہی اور اپنے شیعی مساجد کے موذنوں کو بھی اس اذان کا پابند رہنے کے لئے کہیں اگر موذنوں نے مساجد میں اس کی پابندی نہ کی تو اس سے بڑا راستہ کھلے گا اور یہ اذان شیعہ گھروں میں داخل ہو جائے گی جیسا کہ قبل ازیں علیؓ اور فاطمۃ الزہراؓ کے گھر داخل ہو چکی ہے۔

وقتی نکاح یا مُتعہ

کوئی ایسی امت اپنی ماؤں ۔ جن کے قدموں میں اللہ نے جنت رکھی ہے ۔ کے شرف و وقار کا تحفظ کیونکر کرسکتی ہے جو نکاح متعہ کو جائز کہتی اور اس پر عمل بھی کرتی ہو ۔

متعہ سے مراد وقتی نکاح ہے جس پر ایران میں شیعہ عمل کرتے ہیں بلکہ ہے جن دوسرے علاقوں میں وہ آباد ہیں اگر کوئی سبیل نکلتی ہو تو وہاں بھی کرتے ہوں۔ اس میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پرانے لایعنی فقہی بحث و جدل میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں جن پر صدیاں بیت گئیں، تفسیر و فقہ وغیرہ کی کتابیں ان فقہی جدل کے مباحث سے بھری پڑی ہیں لیکن ان سے کسی فائدے کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ لیکن اس سب کے باوجود میں قارئین کے سامنے اس فقہی جدل کی مختصر روئیداد رکھتا ہوں اس کے بعد ان ہولناک خطرات کی نشاندہی کروں گا جو شیعہ کو اس بدترین نظریہ کو سرے سے ختم نہ کرنے کی صورت میں اجتماعی، اخلاقی اور انسانی مسائل کے گرداب میں پھنسا سکتے ہیں، میں اول و آخر شیعہ نوجوان نسل کو اس پرخار اور بدنما راستے پر چلانے کی تمام تر ذمہ داری فقہاء پر ڈالتا ہوں اس کی تمام تر مسئولیت و جواب دہی انہیں کے کندھوں پر ہے۔

شیعہ فقہاء - اللہ انہیں معاف کرے - کہتے ہیں کہ متعہ عہد نبوی، عہد خلیفہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نصف عہد خلافت میں مباح اور جائز تھا عمر بن خطاب نے اسے حرام کر دیا اور مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا اس پر وہ ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو کتب شیعہ اور بعض کتب اہل السنہ میں مروی ہیں۔

جہاں تک دیگر اسلامی فرقوں کا تعلق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ متعہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی ۔ عصرِ رسالت کے ابتدائی سالوں میں لوگوں نے اس پر عمل بھی کیا تا آنکہ حجۃ الوداع یا خیبر کے دن رسول اللہ نے اسے حرام قرار دے دیا بالکل اسی طرح جس طرح شراب جو بعثت نبوی کے کئی سال بعد حرام کی گئی جب اس کے بارے میں آیات تحریم نازل ہوئیں۔

یہ خلاصہ ہے اس فقہی نزاع اور جدل کا جو ہزار برس سے متعہ کے متعلق جاری ہے۔

یقیناً یہ بات نہایت قابلِ افسوس ہے کہ بعض بڑے شیعہ علماء نے وقتی شادی (نکاح متعہ) کا دفاع کرتے ہوئے اس کے حق میں آواز بلند کی اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھ ڈالیں اور اس کارنامے پر فخر کرتے اور اتراتے پھرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عزت و کرامت اور ذوق کے منافی بدترین نوپید مذہبی رسم کی حقیقی نقشہ کشی کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے اس فقہی نظریہ کو دلائل سے طشت از بام کروں جو اس کا جواز فراہم کرتا ہے اس سے اگلا قدم پھر اٹھاؤں گا تاکہ شیعہ کو مسئلہ کی سنگینی اور اس بلائے بد کی اہمیت کا پتہ چل جائے۔

شیعی عرف اور ہمارے فقہاء شیعہ کے فتویٰ جواز کے مطابق وقتی شادی یا متعہ صرف یہ ہے کہ ایک ہی شرط پر جنسی تعلقات کی عام آزادی ہے بس عورت کسی حبالۂ عقد میں نہ ہو تو اس سے ایجاب و قبول کے ذریعے نکاح جائز ہے کوئی بھی شخص دو منٹ میں یہ نکاح کر سکتا ہے نہ گواہوں کی ضرورت اور نہ کسی خرچ اخراجات کی اور مدت نکاح بھی اپنی حسبِ منشاء رکھ سکتا ہے اور مطلق اختیارات بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے چاہے تو ایک ہی چھت تلے متعہ کے ساتھ اپنے پاس ہزار بیوی جمع کر لے۔

یہ فقہی نظریہ کہ متعہ کی حرمت حضرت عمرؓ بن خطاب کے حکم سے کی گئی حضرت امام علیؓ کے عمل سے باطل ہو جاتا ہے جنہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس حرمت کے حکم

کو برقرار رکھا اور جوازِ متعہ کا حکم صادر نہیں فرمایا شیعی عرف اور ہمارے فقہاءِ شیعہ کی رائے کے مطابق امام کا عمل حجت ہوتا ہے خصوصاً جب کہ امام با اختیار ہو، اظہارِ رائے کی آزادی رکھتا ہو اور احکامِ الٰہی کے اوامر و نواہی بیان کر سکتا ہو۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ امام علیؑ نے منصبِ خلافت قبول کرنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی اور اس کی قبولیت کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ کارِ حکومت میں صرف ان کی رائے اور اجتہاد ہی کارفرما ہوں گے اس میں امام علیؑ کی حرمتِ متعہ کو برقرار رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عہدِ نبوی میں حرام تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ وہ اس حکمِ تحریم کی مخالفت کرتے اور اس کے متعلق صحیح حکمِ الٰہی بیان کرتے اور عملِ امام شیعہ پر حجت ہے میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاءِ شیعہ کو یہ جرأت کیسے ہوتی ہے کہ وہ اس کو دیوار پر مار دیتے ہیں ؟

جیسا کہ میں تھوڑی دیر پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں فقہی بحث و جدل سے ہٹ کر بعض دیگر اہم ترین زاویوں سے متعہ کا گہری نظر سے جائزہ لوں گا اس کے بعد شیعہ امامیہ میں سے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کے سامنے اس کی بھیانک صورت رکھوں گا میری تمام اصلاحی کوشش اور اس کی عملی صورت گری اسی طبقہ کے ساتھ وابستہ ہے ہی سے مجھے امید اور توقع ہے کہ وہ اصلاح و تصحیح کی مساعی کو آگے چلانے کے لئے تیار کریں گے بلاشبہ جو اسلام انسان کی تکریم کے لئے آیا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیٓ اٰدَمَ۔ (۱)

"ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم بخشی"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

(۱) الاسراء : ۷۰

إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق"

(الحدیث)

"مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے"

کیا ممکن ہے کہ یہ اسلام کوئی ایسا قانون دے جس میں ایسی جنسی اباحت ہو اور عورت کے وقار کی اس حد تک توہین کی گئی ہو کہ جس کی نظیر ہمیں اباحیت پر قائم معاشروں کی قدیم و جدید تاریخ میں کہیں نہ مل سکے حتیٰ کہ "لوئی چہاردہم" "دارسا" میں واقع اپنے محل میں، ترکی اور فارسی بادشاہ اپنے محلات میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا آیت میں بنی آدم کے لفظ میں مرد و عورت دونوں برابر شامل ہیں اور جن مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے رسول اللہ تشریف لائے تھے وہ بھی مرد و عورت دونوں جنسوں کے لئے ہیں قانون متعہ میں عورت کی تکریم اور اس کے اخلاق کی حفاظت کا کیا مقام ہے؟ اس قانون میں عورت کا مقام صرف ذلت و رسوائی ہے اور اس کی حیثیت بالکل اس سودے کی طرح ہے جسے مرد جب چاہے ایک کے بعد دوسرا بغیر کسی حد و شمار کے بدلتا ہے عورت جسے اللہ تعالیٰ نے اس شرف سے نوازا ہے کہ جہاں وہ ماں کی حیثیت سے عظیم مردوں اور عورتوں کو برابر طور پر جنم دیتی ہے وہاں اسے ایک ایسا مرتبہ بھی دیا ہے جو ماں کے علاوہ کسی کو نہیں دیا۔ فرمایا:

الجنة تحت أقدام الأمهات

"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"

کیا اس بلند مرتبہ ماں کے شایان شان ہے کہ وہ اپنے اوقات یکے بعد دیگرے مختلف مردوں کی آغوش عشرت میں داد عیش دیتے ہوئے گزارے اور ایسا ہو بھی شریعت کے نام سے؟

ہمارے بعض فقہاء نے۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ متعہ کی ایک تصویر

پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہتے ہیں گویا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو اس نے ایسا شرعی قانون دیا جس کی بدولت مرد بدکاری میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے ذہن میں یہ پہلو نہ آیا کہ اسلام صرف مردوں ہی کا دین نہیں بلکہ یہ پوری انسانیت کیلئے نازل ہوا ہے جس میں عورتیں بھی شامل ہیں اور قوانین الٰہیہ اور شرائع سماویہ اس لئے نہیں اتریں کہ انسان کی شہوتیں اور جنسی تقاضے شریعت و قانون کے پردے میں پلتے بڑھتے رہیں، اسلام تو اس لئے آیا ہے کہ لوگوں کو زمانۂ جاہلیت کی اباحیت سے نکال کر فضائل و اخلاق سے آراستہ کرے نہ اس لئے کہ جاہلیت اور اس کے مظاہر کو تشریع اور قانون الٰہی کا تقدس دے۔

اسلام بیک وقت چار سے زائد بیویاں جمع کرنے کو حرام قرار دیتا ہے اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے لئے سخت ترین شرط رکھتا ہے جیسا کہ آیت ذیل میں تصریح آئی ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

"پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔" (۱)

اور بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنا مشکل ترین کام ہے بعض اوقات تو ناممکن کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس قسم کی شرط (عدالت) رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرد کو مقید رکھا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تعدد ازواج کے راستہ پر چلتا ہوا انسان، طبعی تقاضے، بشری ضرورت، نسل اور خاندان کی تنظیم اور رامت کے مفاد سے بڑھ کر شہوات نفسانی کی وادی میں چل نکلے اسی لئے طلاق کی کراہت کے

(۱) نساء ۳

متعلق سختی سے بیان ہوا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے

إِنَّ أَبْغَضَ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰہِ الطَّلَاقُ -

"حلال امور میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند طلاق ہے"

اور طلاق کو بھی سخت ترین شروط و قیود کے ساتھ مقید کر دیا ہے ان شروط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وقوع طلاق کے لئے دو گواہوں کی حاضری ضروری ہے ایک ایسا آسمانی دین جس کا موقف نکاح اور اس کی شروط کے بارے میں اتنا واضح اور ٹھوس ہو کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ وہ خود ہی اپنے اس قانون کے منافی کوئی ایسا قانون جاری کرے جس میں اتنی بے لگام اباحیت ہو کہ آسمان اور زمین اس سے لرزنے لگیں اور اسلام جیسا دین ایسی اباحیت کا اختیار دے؟

اب یہاں میں قاری کے سامنے نکاح کی دو مختلف صورتیں پیش کرتا ہوں ایک پر شیعہ سمیت تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور وہ ہے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا اور دوسری صورت عارضی نکاح یا متعہ کی ہے۔ جس کے جواز کا فتویٰ صرف امامیہ کے فقہاء دیتے ہیں اور میں شیعہ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ اس کے بارے میں اپنے ریمارکس دیں۔

تمام مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ دائمی نکاح کی شرطیں۔	عارضی نکاح جس پر صرف شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے۔
(۱) دو گواہوں کے روبرو عقد نکاح پر مشتمل الفاظ بولنے پر زوجین میں نکاح مکمل ہو گا	(۱) بغیر گواہ کے صرف عقد پر مشتمل الفاظ بولنے سے نکاح ہو جائے گا۔

(۲) رہائش اور لباس سمیت بیوی کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہونگے

(۳) خاوند چار سے زائد بیویاں ایک وقت میں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا اور چار کی اجازت بھی سخت ترین شروط کے ساتھ ہے۔

(۴) خاوند کے پہلے فوت ہو جانے کی صورت میں بیوی اس کی وراثت میں حصہ دار ہو گی

(۵) کنواری لڑکی کے نکاح کیلئے اس کے باپ کی اجازت و منظوری شرط ہے

(۶) دائمی نکاح کی مدت زوجین کی پوری زندگی ہے

(۲) بیوی کے اخراجات کے متعلق خاوند با اختیار ہے

(۳) خاوند کو اجازت ہے کہ وہ لاتعداد بیویاں بغیر کسی شرط کے رکھ سکتا ہے۔

(۴) بیوی خاوند کی وارث نہیں ہوتی۔

(۵) کسی حالت میں بھی باپ کی موافقت شرط نہیں ہے۔

(۶) عارضی نکاح کی مدت پندرہ منٹ بھی ہو سکتی ہے ایک دن بھی اور نوے برس بھی جس قدر مدت خاوند تجویز کرے اور بیوی اسے قبول کرے

شروط طلاق

(۱) دو عادل گواہوں کے سامنے لفظ طلاق بولنے سے ہی طلاق واقع ہو گی

شروط طلاق

(۱) فسخ اور اپنی بقیہ مدت ہبہ کر دینے کے الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی شیعہ جسے فسخ عقد کا نام دیتے ہیں۔

(۲) عورت کے لئے تین ماہ دس دن طلاق کی عدت ہے۔	(۲) عورت کے لئے فسخ کی عدت وہی ہو گی جو لونڈی کی آزاد ہونے پر ہوتی ہے یعنی آزاد عورت کی عدت سے نصف مدت۔
(۳) عورت ایام ماہواری میں ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی	(۳) ہر حال میں فسخ واقع ہو جائے گا۔
(۴) عدت کے دوران بیوی کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہونگے۔	(۴) ایام عدت فسخ میں خاوند با اختیار ہے۔ بیوی کے اخراجات برداشت کرے یا آنکھیں پھیر لے۔

یہ تقابلی نقشہ جو ہم نے پیش کیا ہے اس پر گہری نظر ڈال لینے کے بعد متعہ کے معاشرتی خطرات و فسادات پر کسی طویل گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ ندائے اصلاح اپنے گرد ان تمام فرزندان شیعہ کو جمع کرے گی جو ایسے قلب و نظر سے بہرہ ور اور ایسی سوچ رکھتے ہیں جس سے وہ معاملے کی سنگینی گرانباری اور ذلت و رسوائی کا ادراک کرتے ہیں اور معاملہ آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔

اصلاح

یہاں مسئلہ تقیہ سے بہت زیادہ اہم ہے یہ بڑی ہوشربا حالت بد شیعہ افکار میں داخل ہو گئی ہے حتیٰ کہ وہ روایات جو اس کے حلال ہونے کے بارے میں آئی ہیں خواہ وہ کتب شیعہ میں ہوں یا دیگر لوگوں کی کتابوں میں حتیٰ کہ وہ روایات جو یہ بیان کرتی ہیں کہ یہ صدر اسلام میں جائز تھا تا آنکہ خلیفہ عمرؓ بن خطاب

نے اسے حرام قرار دے دیا۔ میں یہی باور کرتا ہوں کہ یہ تمام روایات اسلام کے رخ زیبا کو داغدار کرنے کے لئے وضع کی گئی ہیں اور دوسری جانب دیگر تمام اسلامی فرقوں نے اس نظریہ کی اہمیت اور اس کے بڑے بڑے معاشرتی اور اخلاقی مفاسد کی کنہہ کو پاکر اس کے مقابلے میں ایسا موقف اختیار کیا جو حق، عدل، اور فضیلت کے امتیازی نشانات کا حامل ہے لیکن ہمارے فقہاء شیعہ یا تو مسئلہ کی سنگینی کا ادراک نہیں کر سکے یا سب کچھ سمجھنے کے باوجود صرف جمہور اہلِ اسلام کی مخالفت کے شوق میں ہی متعہ جیسی غضب الٰہی کو دعوت دینے والی لعنت کو حلال قرار دیا اور اس کی اجازت دی کیونکہ جمہور مسلمانوں کی مخالفت کی فضیلت میں کئی روایات وضع کرکے انہیں جھوٹ اور بہتان باندھتے ہوئے امام صادق کی طرف منسوب کیا گیا جن میں آیا ہے۔

"الرشد فی خلافہم"

(ہدایت ان کی مخالفت میں ہے)

یعنی اہل السنۃ والجماعت کی رائے سے اختلاف کرنے میں ہی رشد و ہدایت ہے۔

ہمارے فقہاء کے فقہی استدلالات میں اس ناقابل فہم پیچیدگی کے علاوہ میرا خیال ہے کہ وقتی نکاح کے نظریہ کو شیعہ خصوصاً نوجوانوں کے لئے مذہب کو جاذب نظر بنانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس مذہب میں کچھ خاص امتیازات ہیں جنہیں دیگر اسلامی مذاہب تسلیم نہیں کرتے بلاشبہ دین کے نام سے جائز قرار دے کر جنسی لالچ دینا ایک ایسا عمل ہے جو اپنے اندر ہر جگہ اور ہر وقت نوجوانوں اور کمزور طبع لوگوں کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے جب میں اپنی کتب روایات میں ایسی روایات پڑھتا ہوں جو متعہ کی فضیلت، اس کے ثواب اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لئے آئمہ کے نام منسوب ہیں تو مجھے ہرگز کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ میں ان روایتوں کے بارے میں اپنے صریح اور واشگاف موقف کی طرف اس کتاب

میں کئی مقامات میں اشارہ کرچکا ہوں۔

اور ہماری تمام تر توجہ اسی پر مرکوز ہے کہ شیعہ گروہ کو اللہ ان روایات سے نجات دلائے۔

میں جب یہ سطور لکھ رہا ہوں تو شیعہ کے مستقبل، اصلاح کے بارے میں ان کے موقف، اس کے اصول و مبادی کی طرف غیر مشروط رجحان و میلان سے لمحہ بھر کے لیے بھی ناامیدی سے دوچار نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس اصلاحی کوشش کو ابتدائی مرحلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن کلمہ حق بالآخر اپنا راستہ خود بخود بنا لیا کرتا ہے، بیدار مغز، تعلیم یافتہ مہذب طبقہ، جو اپنے آپ کو ان ناکارہ افکار سے آزاد کرا سکتا ہے جو انہیں ماں باپ اور فقہاء و مشائخ نے تلقین کئے ہوں کی خصوصی توجہ دنیا بھر میں شیعہ کے مستقبل کی بہترین ضمانت ہے۔

میں ایک بار پھر عارضی نکاح کی طرف آتا ہوں اور ان فقہاء سے سوال کرتا ہوں جو متعہ کے جواز اور اس پر عمل کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کیا وہ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ دار لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی کسی حرکت کی اجازت دینا پسند کریں گے یا ان کے بلبلے میں ایسی بات سن کر ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے، رگیں پھول جائیں گی اور غصے پر قابو نہیں رکھ سکیں گے۔؟

میرے اس سوال کے قریب قریب ہی کسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بڑے عالم سید امین عاملی نے کہا تھا:

> اگر متعہ جائز ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر شخص اس پر عمل کرے ایسے کتنے ہی مباح امور ہیں جو پاکدامنی، شخصیت کا وقار اور برتری ملحوظ رکھ کر ترک کر دیئے جاتے ہیں (۱)

(۱) الشیعۃ بین الحقیقۃ والاوہام: ۳۵۷

لیکن میں کہوں گا کہ بات بالکل واضح ہے کہ مسئلہ کی صورت یہ نہیں ہے یعنی جو لوگ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور قرابت داروں کے لئے متعہ پسند نہیں کرتے یہ اجتناب پاکدامنی اور بلند اخلاقی تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے خیال میں یہ گھریلو وقار، خاندانی شرافت کے منافی رسواکن اور معیوب امر ہے اور بعض شیعی علاقوں کی صورت حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی فقیہ یا اپنی قوم کے سردار سے متعلقہ لڑکی سے متعہ کا مطالبہ کرے تو شاید اس سوال پر خونریزی ہو جائے۔ حتیٰ کہ ایران جہاں بعض شہروں میں عملاً یہ کاروبار جاری ہے وہاں ایسے علاقے بھی پائے جاتے ہیں کہ وہاں کوئی شخص متعہ کے بارے میں ایک کلمہ بھی زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے ایران کے علاوہ دیگر ممالک خصوصاً بلاد عرب میں جہاں کہیں شیعہ آباد ہیں وہاں متعہ پر بات چیت خونریزی اور ہلاکت خیزی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے پاکستان بھارت اور افریقہ میں معاملے کی تفصیلی نوعیت سے واقف نہیں ہوں لیکن ان تمام علاقوں میں فقیہہ اپنا فتویٰ تو تبدیل نہیں کرتا البتہ اگر اس سے دریافت کیا جائے تو اسے جائز کہتا ہے لیکن وہ خود جس معاشرے میں رہ رہا ہوتا ہے اس ماحول کے زیر اثر ہوتا ہے اگر اس کی بیٹی وقتی نکاح (متعہ) کے لئے طلب کر لی جائے تو وہ شورش برپا کر دے اور دنیا تہ و بالا کر دے

اس طرح یہ واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس ناپسندیدہ مسئلے پر عمل کی ذمہ داری آخر ذمہ داری انہی لوگوں کے کندھوں پر ہے جنہوں نے مسلمان خواتین کی عصمتیں مباح قرار دیں لیکن اپنی عصمتیں محفوظ رکھیں۔ مومن خواتین کی عزت و وقار کو رائیگاں ٹھہرایا مگر اپنی بیٹیوں کی عزت پر آنچ نہیں آنے دی۔

خاکِ کربلاء پر سجدہ

خاکِ کربلاء پر یہ سجدہ شیعہ اور شیعیت کے درمیان معرکے کے عہدِ دوم میں شروع ہوا پھر وسیع تر آفاقی سطح پر پھیل گیا اور تمام شیعوں میں عام ہو گیا۔

کم ہی شیعہ کا کوئی ایسا گھر ہوگا جہاں مٹی کی وہ ٹکیا نہ ہو جس پر شیعہ اپنی نماز وں میں سجدہ ریز ہوتے ہیں وہ خاکِ کربلا ہوتی ہے جہاں حضرت حسین رضی نے شہادت پائی اور وہیں ان کا جسد پاک مدفون بھی ہے۔

اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہمارے فقہاء خاکِ کربلا پر سجدے کے موضوع پر کیا کہتے ہیں وہ مکانِ سجود اور ذاتِ مسجود میں فرق کرتے ہیں یعنی خاکِ کربلا پر پیشانی رکھنے کا مطلب اس کو سجدہ کرنا نہیں بلکہ اس پر سجدہ کرنا ہے کیوں کہ شیعی مذہب میں صرف مٹی اور اس سے نکلی ہوئی اشیاء پر ہی سجدہ جائز ہے لباس یا اس سے بنی ہوئی اور خوردنی چیزوں پر سجدہ روا نہیں ہے۔

ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں بلکہ خود شیعہ بھی یہ جانتے ہیں کہ خاکِ کربلا پر سجدہ کا مسئلہ اسی فقہی حد تک پہنچ کر رک نہیں جاتا یا یہ صرف مٹی پر سجدے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے بہت دور نکل چکا ہے جو لوگ اس مٹی پر سجدہ کرتے ہیں ان میں بہت سے اُسے بوسہ دیتے اور تبرک حاصل کرتے ہیں اور بعض اوقات تو حصولِ شفاء کے لئے خاکِ کربلا میں سے کچھ کھا بھی لیتے ہیں حالانکہ شیعی فقہ میں مٹی کھانا حرام ہے پھر ان لوگوں نے مٹی کی مختلف شکلیں بنا رکھی ہیں جنہیں اپنی جیب میں رکھتے ہیں اور سفر میں جہاں جائیں ساتھ لے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ تقدیس و تکریم کا سلوک کرتے ہیں

میرے ان سطور کی تالیف تک مشرق و مغرب میں لاکھوں شیعہ پابندی

سے خاکِ کربلا پر سجدہ کر رہے ہیں ان کی مسجدیں اس سے بھری پڑی ہیں اور جب کہیں دوسرے اسلامی فرقوں کی مسجدوں میں نماز پڑھیں تو "تقیہ" پر عمل کرتے ہوئے اسے چھپائے رکھتے ہیں۔ غیر شیعہ کے اعتراض کے خوف سے ظاہر نہیں کرتے کئی غیر شیعہ حضرات کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ مٹی کی یہ مختلف شکلیں بت ہیں جن پر شیعہ سجدہ کرتے ہیں بعض شہروں میں تو قریب تھا کہ فتنے کھڑے ہو جاتے جہاں لوگ خاکِ کربلا اور اس کے مظاہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ معلوم نہیں یہ بدعت کب شیعہ کی صفوف میں در آئی جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خاکِ کربلا پر سجدہ نہیں کیا مٹی کو مقدس سمجھنے کا عقیدہ بھی مسلمانوں میں معروف نہ تھا ممکن ہے اس رواج نے صفویوں کے عہد میں وسعت اختیار کی ہو جب خاص رسوم کے سلسلے میں کربلا کی زیارت کے لئے قافلوں کی آمد شروع ہوئی اور وہاں سے واپسی پر قبرِ حسین رضی کے آثار ساتھ لے جانے لگے۔

خاکِ کربلا کے (نماز میں) استعمال کے ساتھ ایک اور بدعت کا بھی اضافہ کیا گیا جو دیگر بدعتوں کی نسبت حد سے تجاوز کر گئی ہے وہ ہے فقہاء کا فتویٰ کہ مسافر جب قبرِ حسین کے احاطے میں ہوں تو قبر کے ارد گرد پندرہ ہاتھ کے ایریا میں قصر کرنے کی بجائے پوری نماز ادا کریں حالانکہ ہمارے فقہاء کے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ مسافر پر نمازِ قصر ادا کرنا ہی واجب ہے لیکن انہوں نے قبرِ حسین رض کے احاطہ کو اس قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاء نے۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ ایک ایسے معاملے میں اجتہاد کی ہمت کیسے کی جس کی اصل اور فرع کا عہد نبوی میں کہیں نام و نشان تک نہیں تھا تا آنکہ شریعت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا

کیا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احاطۂ قبرِ حسین رض میں اس نام کی کسی چیز کے وجود سے قبل ہی وہاں مسافر کو پوری یا قصر نماز کا اختیار دے دیا تھا یا قانونِ الٰہی نے ایسے موضوع پر شرعی حکم دے دیا تھا جس کا اس وقت کہیں نشان بھی نہ تھا؟

کچھ ایسی روایات ملتی ہیں جو ائمہ شیعہ کی طرف منسوب ہیں اور اس قبر کا

اختیار دیتی ہیں اور ہمارے فقہاء نے اپنے مذکورہ فتووں کی بنیاد انہی روایات پر رکھی ہے۔

اس خطرناک نظریے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے فقہاء کے نزدیک امام قانون سازی کا ماخذ (SOURCE OF Law) ہے جیسا کہ شیعہ اور تشیع میں اختلافات کا معرکہ برپا ہونے سے قبل بھی شیعانِ اہلِ بیت ائمہ کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے اور اس وقت تشیع سے مراد یہ تھا کہ ائمہ اہلِ بیت احکامِ اسلام کو باقی لوگوں کی نسبت بہتر جانتے ہیں کیوں کہ قرآن ان کے گھر میں نازل ہوا جیسا کہ ہم اس کی طرف ایک سے زیادہ مرتبہ اشارہ کر چکے ہیں۔ فی الواقع بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس قسم کے نظریے کا وجود کئی فقہاء کے دلوں میں کھٹکتا ہے اگرچہ انہوں نے کھل کر اس کا اظہار نہیں کیا ورنہ احاطۂ قبرِ حسین میں مسافر کے لئے نماز قصر کرنے اور پوری پڑھنے کے اختیار کا فتویٰ چہ معنی دارد ؟ کس شرعی قاعدے اور اصول کی بنیاد پر احاطۂ حسین کو یہ امتیاز حاصل ہوا ہے اس احاطے کے وجود میں آنے سے نصف صدی پیشتر ہی اس کے بارے میں آسمانی حکم اچانک نازل ہو گیا ؟

ہم یہاں ایک بار پھر اپنی وہی بات دہرائیں گے کہ اس گہری فکری پس ماندگی سے۔ جس نے صدیوں سے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور آج تک ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ نجات حاصل کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ راہِ راست پر گامزن ائمہ ہدایت کی طرف منسوب اس قسم کی روایتوں سے ہماری کتابوں کی چھانٹی کی جائے ہمارے آئمہ ان روایات سے بری الذمہ ہیں، ایسے ہی ہمارے۔ فقہاء کے ذہنوں کی صفائی ہونی چاہیے ان بدعتوں کی ایجاد و ترویج کے پس پردہ اکثر و بیشتر انہی کا ہاتھ ہے۔ ائمہ نے اپنی طرف سے تو قوانین ایجاد نہیں کئے اور نہ ایسے احکام دیئے ہیں جن کا نام و نشان کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں نہ ملتا ہو اس قسم کا تو دعویٰ بھی انہوں نے نہیں کیا بلکہ ان کا طرۂ امتیاز تو صرف یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ اور اپنے جدِ امجد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت سے خوب واقفیت رکھتے تھے اور انہوں نے کاشانۂ رسالت اور مہبطِ وحی میں علم حاصل کیا اور احکام شریعت نسلاً بعد نسلٍ اپنے بڑوں سے اخذ کئے۔

اصلاح

اگر شیعہ اس فقہی قاعدے کی پابندی کرتے جو ہمارے فقہاء نے مٹی اور اس سے ماخوذ اشیاء پر سجدے کے بارے میں وضع کیا تھا اور ہمارے فقہاء اس فتویٰ پر کاربند رہتے تو معاملہ اس قدر گرانبار نہ ہوتا اور دیگر اسلامی فرقے بھی اس رائے کو قبولیت اور احترام کی نظر سے دیکھتے۔

مگر ہوا یہ کہ شیعہ ہمارے فقہاء کے عمل پر چلتے ہوئے اس فقہی قاعدے سے بھی تجاوز کر گئے اور اس سے ایک خاص عادت اختیار کر لی اور ایک خاص مقام۔ کربلا کی مٹی پر سجدہ شروع کر دیا اور اس مٹی کی ٹکیاں، گول اور مربع شکلیں بنا لیں جنہیں وہ سفر حضر میں برابر اپنے ساتھ اٹھائے رکھتے ہیں تاکہ نماز کے وقت ان پر سجدہ کر سکیں۔

اور یہ بھی شیعہ کی عادت بن چکی ہے کہ جب وہ دیگر اسلامی فرقوں کی مسجدوں میں نماز ادا کرتے ہیں تو اس مٹی کو تقیہ پر عمل کرتے ہوئے یا اس ڈر سے چھپائے رکھتے ہیں کہ کہیں اس کے متعلق شورش برپا نہ ہو جائے یا اکثریت سے شرماتے ہیں جو ان کے اس عمل کو تعجب و تمسخر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

حقیقتاً یہ بات بڑے رنج و غم اور افسوس کا باعث ہے کہ شیعہ ایک ایسے عمل کی پابندی کرتے ہوئے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اس درجہ ذلت میں گر جائیں۔ اللہ کے نزدیک اس کی عبادت میں اس ملاوٹ سے بڑھ کر کوئی چیز باعث ناراضگی نہیں ہو گی۔

اگر شیعہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ "خاکِ کربلا" پر سجدے کے مسئلے میں وہ برحق ہیں تو پھر وہ اسے اپنے سُنّی برادرانِ دین کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے خوف کیوں کھاتے

ہیں جب کہ ان کی کتاب ایک، نبی ایک، قبلہ ایک اور نماز بھی ایک ہی ہے اگر وہ حق پر نہیں ہیں تو پھر اس پر اس قدر اڑے ہوئے کیوں ہیں اور انہیں شرمندگی اور خوف کیوں لاحق ہے؟

جیسا کہ ہم قبل ازیں بھی عرض کر چکے ہیں کہ دین سے الگ اس طریقہ کار کی ایجاد میں فقہاء و اساطینِ مذہب کا بڑا کردار ہے جنہوں نے شیعہ کو اس کا خوگر بنایا اور وہ ان سطور کے رقم کئے جانے تک اسی طریقہ پر چل رہے ہیں ہماری اس صدائے اصلاح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم شیعہ کو مٹی پر سجدہ نہ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جُعلت لی الأرض مسجدا و طهورا (۱)

"تمام زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور حصولِ طہارت
کا ذریعہ بنائی گئی ہے"

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اپنی مسجد میں مٹی پر سجدہ کرتے تھے۔ لیکن ہم یہ بھی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ شریعت میں زمین کے ایک حصے کی دوسرے حصے پر فضیلت اگر ثابت بھی ہو تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ سجدہ صرف کسی خاص زمین پر کیا جائے ورنہ مسلمان خاکِ مکہ و مدینہ اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تاکہ اس پر سجدہ کر سکیں۔

شیعہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تمام امور میں نظریاتی تقلید کا بندھن توڑ دیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ وہ بالکل باطل ہونے کے باوجود ان پر ٹھونس دیئے گئے ہیں تاکہ قوی دلیل کے پیشِ نظر سر بلند کرکے برابری کی بنیاد پر وسیع اسلامی صف میں شامل ہو سکیں نہ کہ ایسی بدعتوں کی خاطر جنہیں وہ دوسروں کی نسبت بہتر جانتے

دیں تقیہ جیسی ذلت برداشت کرکے دوغلی شخصیت اپنا کر عزت وکرامت سے آنکھ چرا کر مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں۔

میں ایک بار پھر اصل موضوع کی طرف آتا ہوں ہم شیعہ سے اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہیں کرتے کہ مٹی اور اس سے ماخوذ چیزوں مثلاً، لکڑی، چٹائی اور کنکریوں پر سجدہ صحیح ہونے کے متعلق اسی رائے پر عمل کریں جس پر مسلمانوں کے تمام فقہاء کا اجماع ہے اور شیعہ فقہاء بھی ان میں شامل ہیں ان میں سے جس پر سجدہ درست ہے اسی پر کریں اسی طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام علیؓ اور آئمہ کی پیروی کریں گے جنہوں نے کبھی خاکِ کربلا نامی کسی چیز پر سجدہ نہیں کیا اور خاکِ کربلا پر سجدہ کی پابندی ترک کر دیں گے جس میں بیک وقت بدعت اور فرقہ بندی کے تمام اشرات موجود ہیں اور مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ دیگر اسلامی فرقوں کو جونہی اس فقہی نظریہ کا علم ہوگا جس کی اساس اجتہاد پر ہے تو یقیناً کسی ایسی مسجد کی ضمانت دے دیں گے جو شیعہ کے اپنی مساجد میں اس اہتمام کے لئے ہو اور وہ انہیں چٹائی یا اس سے ملتی جلتی کوئی زمین یا درخت سے ماخوذ چیز مہیا کر دیں گے تاکہ ان کے دینی بھائیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔"

دہشت گردی

صرف شیعہ ہی ایک ایسا اسلامی گروہ ہے جس نے اپنے آپ کو بغیر کسی قید و شرط کے مذہبی قیادت کے سپرد کر رکھا ہے۔ مذہبی قائدین جیسے چاہتے ہیں پاؤں کی ٹھوکر سے کبھی انہیں لڑائی کے میدانوں میں دھکیل دیتے ہیں تو کبھی دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے خارزار میں۔

مذہبی قیادتوں نے تاریخ کے مختلف اَدوار میں شیعہ مسکینوں کو ان کی سادگی اور دینی مزاج پر ایمان سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے استعمال کیا اور ان میں سے ایک گروہ تیار کیا جنہیں بدعت کی تند و تیز آندھیاں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور تاحال شیعہ واحد انسانی گروہ ہے جس نے اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر بغیر کسی سوال و جواب کے اپنی قیادتوں کے سپرد کر دیا ہے وہ جیسے چاہتے ہیں انہیں پاؤں کی ٹھوکر سے کبھی جنگ کے میدانوں پر اور کبھی غنڈہ گردی اور دہشت گردی کے میدانوں میں دھکیلتے رہتے ہیں اسی لئے گزشتہ چند سالوں سے پورا انسانی معاشرہ شیعہ مذہب کو اس نظر سے دیکھنے لگا ہے کہ گویا یہ ایک ایسا مذہب جو اپنے پیروکاروں کو جنگ و جدل، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا حکم دیتا ہے۔ اکثر خبریں جو شیعہ کے بارے میں عالمی اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے نشر ہوتی ہیں وہ صرف شیعہ گروہ تک محدود نہیں رہتیں بلکہ اسلام کی شہرت پر بہت بری طرح اثر انداز ہوتی ہیں کیوں کہ عام انسانی معاشرہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں کوئی امتیاز نہیں کرسکتا۔ گویا کہ شیعہ کی دہشت گردی اسلام کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہے اور تمام مسلمان اس کی لپیٹ میں آتے ہیں۔

قتل اور دہشت گردی کی تاریخ تو گزشتہ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ عصر حاضر کی تاریخ میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن شیعہ ممالک اور شیعہ مذہب کے

نام پر یہ ایک صدی یا اس سے ذرا کم عرصہ سے شروع ہوئی ہے لیکن دُکھ اور افسوس اس بات پر ہے کہ شیعی دُنیا میں جب سے دھوکہ دہی قتل و اغوا اور گزشتہ چند برسوں سے اس میں جو غنڈہ گردی اور خوف و ہراس پھیلانے کا اضافہ ہوا یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوا اور اس کے پس پردہ نامور فقہاء اور بلند پایہ مجتہدین ہیں۔ ۱۳۱۱ھ میں مرزا رضا الکرمانی نے اپنے اُستاذ سید جمال الدین افغانی کے حکم سے شاہ ناصر الدین کو اغوا کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک خصوصاً اہل ایران وقتاً فوقتاً مذہبی اغواء، قتل، دہشت گردی اور تخریب کاری کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں سیاسی ماحول اور حالات کے مطابق یہ کاروائیاں جاری رہتی ہیں اور ان کے پیچھے فقہاء کا ہاتھ ہوتا ہے

لیکن یہ بات عبرت حاصل کرنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون انصاف اسی دُنیا میں حرکت میں آیا تاکہ ان لوگوں کو درس عبرت دے جنہوں نے لوگوں کے دلوں میں دین کے نام پر اس نظریے کے بیج بوئے۔

دہشت گردی انہی لوگوں کے لئے جو پسِ پردہ اس کے منصوبے بناتے تھے اُلٹا ایسا وبال ثابت ہوئی جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ ان فقہاء کے مخالفین نے ان کے مقابلے کے لئے وہی طریقہ کار اپنایا جو اُنہوں نے ان سے سیکھا تھا صرف چھ برس کی مختصر مدت (۱۴۰۰ھ سے ۱۴۰۶ھ تک) میں مذہبی علماء و فقہاء کی ایک بڑی تعداد مخالفین نے دہشت گردی کے ذریعے ٹھکانے لگائی جو اس سے کہیں زیادہ ہے جو گزشتہ سو برس میں اس دینی فتویٰ، دھوکہ دہی سے قتل، اور دہشت گردی کا شکار ہوئے۔

اس طرح یہ تخریبی کاروائیاں انہی لوگوں کے لئے اُلٹا وبال جان ثابت ہوئیں جو خفیہ طور پر انکی سازشیں کرتے تھے اور ان کی زندگی کو ناقابل برداشت جہنم میں تبدیل کر دیا، یہ سب کچھ ایران میں مذہبی فقہاء کے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد

ہوا جو اس دہشت گردی کے لئے برکت کی دعا کرتے ۔ اور اس کے شگون بنے ہوئے تھے۔

مزید وضاحت کے لئے میں واشگاف الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب میں نے نئے ڈاک ٹکٹ دیکھے جو اسلامی جمہوریہ ایران نے جاری کئے ہیں اور ان پر میرزا کرمانی اور جماعت فدائیان کے لیڈر مجتبیٰ نواب صفوی جیسے دہشت گردوں کی تصویریں ہیں اور اسی فدائیان اسلام تنظیم نے متعدد وزراء وغیرہ کو مجتہدین میں سے ایک صاحب کے فتویٰ پر اغواء کر کے قتل کیا تھا تو میں نے شیعہ امامیہ کی بدنصیبی پر آنسو بہائے اور اس ملک کا بھی ماتم کیا جو بظاہر شیعیت اختیار کئے ہوئے ہے اور اپنے آپ کو تشیع کا محافظ بھی سمجھتا ہے۔

میں یہاں بغیر کسی خوف و ہراس کے واضح الفاظ میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری یہ تالیف کوئی سیاسی کتاب ہے نہ ہمارا مقصد اس کے ذریعے کسی حکومت یا سیاسی جماعت سے محاذ آرائی ہے، اور نہ ہی اسلامی جمہوریہ ایران یا اس میں قائم نظام حکومت کے ساتھ ٹکر چاہتے ہیں اس لئے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس رسالہ کی تالیف سے میرا مقصد صرف شیعہ عقیدہ کی اصلاح ہے اس میں جو بدعتیں پیدا ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں ان کی اصلاح برابر میرے پیش نظر ہے اسی لئے میں نے خاص شخصیتوں یا ناموں کا سامنے لانے سے اجتناب کیا ہے البتہ بعض اوقات ضرورت ہوتی ہے کہ کھل کر حق کہوں اور تنبیہ بھی کروں اور اس کے لئے کسی کا نام لے کر مخاطب کروں حتیٰ کہ ایسے ملک یا ایسی حکومت کو بھی کبھی آواز دیتا ہوں جو ہو سکتا ہے میری اس صدائے اصلاح پر کان دھرے یا سنی ان سنی کر دے لیکن یہ تو ضروری ہے کہ کلمۂ حق سب کے لئے کہا جائے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :-

"الساکت عن الحق شیطان أخرس"

حق کے بارے میں چپ رہنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے۔

کیا خیال ہے کہ ایسا ملک عالمی برادری میں عزت و اعتماد حاصل کر سکتا ہے اور امن پسند آزاد قومیں اسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھ سکتی ہیں جو ایک طرف تو نظریاتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور شیعی مذہب کو اس نے اپنا شعار بنا رکھا ہو اور دوسری طرف دہشت گردوں اور تخریب کاروں پر فخر بھی کرتا ہو اور ان کی تصویروں کو اپنے نظام حکومت کی علامت قرار دیتا ہو؟ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ دُنیا بھر میں موجود ان لاکھوں شیعوں پر یہ شعار سخت گراں بار ہو جن کا اس ملک سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس نظامِ حکومت و سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔ اس صورتحال میں شیعہ اپنے عقیدے کا دفاع اور شیعیت میں دہشت گردی کا انکار کیسے کر سکتے ہیں جبکہ شیعی عقیدہ کی ترجمان ریاست و حکومت دہشت گردی کو بطور قومی شعار اپنائے ہوئے ہو۔

اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ ایران کے حکام میری بات پر کان دھریں گے اور وہ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں گے کہ ایران میں آباد شیعہ دُنیا بھر کے شیعہ کا ایک تہائی سے زیادہ حصّہ نہیں ہیں اور باقی اہلِ تشیع اس وسیع کرۂ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر ملک کے لوگوں کی اپنی شناخت، اپنی شہریت اور اپنی زبان ہے اور ایران کی شیعہ حکومت کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے اور نہ کبھی ہو گا کہ وہ تمام روئے زمین کے شیعہ کی نمائندگی یا ترجمانی کرے بلکہ وہ تو ایران کے تمام شیعہ کے نام پر بات کرنے کا حق بھی نہیں رکھتی، اس لئے اس کا فرض ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس فرقے کی اکثریت بدنام ہو جیسا کہ وہ اب تک کرتی آئی ہے اب اس کی شہرت کو مزید داغدار نہ کرے۔

ایرانی حکّام سے میری اپیل ہے کہ وہ اہلِ تشیّع سے کوئی مزید بدتمیزی نہ کریں جو کچھ وہ کر چکے ہیں شیعہ کی ذلّت و رسوائی کے لئے وہی کیا کم ہے؟

اور حضرات شیعہ سے بھی مجھے امید ہے کہ وہ انسانی معاشرے کے سامنے اپنے

اور اپنی عزت کے دفاع کے لئے آواز بلند کریں گے اور بے گناہ لوگوں کے خلاف جو عناصر شیعیت کے نام پر غنڈہ گردی اور تخریب کاری کر رہے ہیں ان سے لاتعلقی کا اعلان کریں گے۔

کبھی بذاتِ خود میں غور کرتا ہوں یہ دہشت گردی کا رُجحان جو چند برس سے ایران میں پیدا ہوا ہے اور ہمارے فقہاء نے اس کے لئے برکت کی دُعائیں کی ہیں یہ اس الموت کے قلعے کی باقیات تو نہیں ہیں، جسے حسن الصباح نے اسماعیلی مذہب کی نشرواشاعت کا مرکز بنایا تھا کبھی طاقت کے بل بوتے پر اور کبھی حشیش اور منشیات کے ذریعے وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا تھا اور یہ قتل و غارت گری بھی انہیں کارروائیوں کا حصہ ہے جو اسماعیلی دہشت گرد ممالکِ اسلامیہ میں گھوم پھر کر اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے کرتے تھے اور ہم سب کو معلوم ہے کہ وزیر نظام الملک بھی اسی جماعت کے ایک دہشت گرد کے مجرمانہ وار سے قتل ہوا تھا جو براہِ راست ان کے سربراہ حسن الصباح کے حکم سے کیا گیا تھا۔ میرے اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حسن الصباح کی گوریلا دہشت گرد پارٹیوں اور شیعہ کے انتہا پسند دہشت گرد گروہوں کی منصوبہ بندی اور نتائج میں بھی بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔

یہاں ایک بار پھر میں شیعہ کو مخاطب کر کے کہوں گا :۔

اگر چھٹی صدی ہجری کے وسط میں حسن الصباح کی گہری سازش اور اس کی پارٹی کے حشاشین ساتھیوں کی بداعمالیوں نے عالمِ اسلام میں بُرائی اور فساد کو جنم دیا تھا، تو اس دور کے کربناک واقعات کی اصل میں وجہ یہ تھی کہ سادہ لوح لوگوں کی اسلام اور اس کے بنیادی اصولوں سے عدم واقفیت سے ایک گروہ نے فائدہ حاصل کیا تھا مگر آج کے اس زمانے میں جبکہ میدانِ علم میں تیز دوڑ جاری ہے اور اعلیٰ اسلامی اصولوں کا مفہوم بھی سب پر عیاں ہے تو شیعہ پر حجت قائم ہو چکی ہے کہ وہ حق و عقل کا راستہ اختیار کریں اور اپنے

احکام تسلیم کرنے سے انکار کردیں جن میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی ہو۔

اگر دہشت گردی کارِ خیر ہے تو پس پردہ اس کے منصوبہ ساز بذاتِ خود اپنے لئے یا اپنے خاص لوگوں کے لئے اسے کیوں پسند نہیں کرتے اور جب اس کا انکشاف ہو جاتا ہے تو اس سے اظہار برائت کیوں کر دیتے ہیں حالانکہ اسلام دہشت گردی سے بری ہے اور اس کی تعلیمات اس کے منافی ہیں۔ اگر ان دہشت گردوں اور ان کے خفیہ سربراہوں کے کوئی سیاسی مقاصد ہوں تو انہیں چاہیے کہ ان کے حصول کے لیے دین و مذہب کا نام استعمال نہ کیا کریں بلکہ پوری ہمت سے کام لے کر اپنی سیاہ کاریوں کا ذمہ دار خود ہی بننا چاہیئے نہ کہ انہیں اپنے دین و مذہب کے سر تھوپنا چاہیئے۔

اِصلاح

دہشت گردی کسی بھی شکل و صورت میں ہو اس کے حرام ہونے کے بارے میں قرآن کریم نے اپنا ابدی دستور قائم کر دیا ہے بالخصوص جب کوئی بے گناہ کسی مجرم کی جگہ پکڑا جا رہا ہو، فرمایا :-

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۱)

کوئی بوجھ اٹھانیوالی (جان کسی دوسری (جان) کا بوجھ نہیں اٹھاتی ؟

جو شخص قرآن کریم کو اپنا رہبر و پیشوا گردانتا ہے اس کے لئے یہ قرآنی جملہ مشعلِ ہدایت ہے اور مینارۂ نور ہے۔ اگر ائمہ شیعہ کی سیرت و کردار پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ وہ خوف و ہراس پھیلانے والی کاروائیوں سے سب سے زیادہ دور اور انہیں سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ امام حسین ہیں اس گروہ سے مخاطب ہیں جنہوں نے آپ کے حرم اور اہل خانہ کے خیموں پر عاشورہ کے دن حملہ کر دیا تھا امام مع بوجہ نے ان سے جو

(۱) الزمر: ۷

کچھ کہا آج تک تاریخ اُسے فراموش نہیں کر سکی فرمایا :۔

"اے گروہ ابی سفیان! اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور تم آخرت کے خوف سے آزاد ہو تو مردانِ حُر کا کردار تو اپناؤ، عورتوں کا تو کوئی گناہ نہیں ہے۔"

اس طرح امام حسینؑ نے جو سیّد الشہداءؑ ہیں اور شیعہ ان کے ساتھ اندھی محبت کی شہرت رکھتے ہیں شجاعت و بزدلی کے درمیان خطِ فاصل کھینچ دیا ہے اور انسانی وقار جس پر اللہ راضی ہے اور باعثِ رنج کارِ بد جس پر اللہ ناراض ہوتا ہے دونوں وضاحت سے بیان کر دیئے۔ ان بلیغ اور صریح عبارتوں میں حضرت امام حسینؑ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا خواہ ان کا تعلق شیعان حسین سے ہو یا کسی دوسرے گروہ سے کہ اپنے دشمنوں اور جنگی قیدیوں کے معاملے میں عزت و وقار کا راستہ اختیار کریں، حالتِ جنگ میں بھی ان کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں۔

اور یہ اہلِ کوفہ کی طرف حضرت حسینؑ کے سفیر مُسلم بن عقیل ہیں عبیداللہ بن زیاد کو دھوکہ دہی سے قتل کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جب کہ انہیں ہانی بن عروہ نے اس کا موقع بھی فراہم کر دیا تھا اور فرماتے ہیں :۔

"نَحْنُ أَهْلُ بَيْتٍ لَا نَغْدِرُ"

ہم اہلِ بیت غدر نہیں کرتے۔"

اور عبیداللہ بن زیاد کوفہ میں اس وقت آیا تھا جب اہلِ کوفہ سفیرِ حسین کی حیثیت سے مُسلم بن عقیل کی بیعت کر چکے تھے لیکن وہ مُسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ کر نے والے تھے اور مسلم کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ یا تو آخری دم تک لڑیں اور قتل ہو جائیں یا عبیداللہ کو دھوکے سے ٹھکانے لگا دیں اور نئے سرے سے اقتدار حاصل کریں، لیکن انہوں نے کوئی ایسی تجویز بروئے کار لانے کو مسترد کر دیا جس پر عزت و مردانگی صاد نہ کرتی ہو خواہ اس طرح وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں یا اپنے سپرد کی گئی

ذمہ داری میں ناکام رہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نتائج خواہ کتنی ہی اہمیت کے حامل ہوں مگر اسلام کے سرمدی دستور اور اہلِ بیت رسول اللہؐ کے عرف ورواج میں دھوکہ دہی سے قتل اور غداری جیسی خسیس کارروائیوں کا جواز فراہم نہیں کرتے۔ ہم ایک بار پھر امام علیؓ کا عمل بطور شاہد پیش کرتے ہیں۔ شیعہ جن کی اقتداء کا دم بھرتے ہیں اور ہمارے بعض فقہاء کا عقیدہ ہے جو ان حضرات کا جو اپنے آپ کو دہشت گرد کارروائیوں کے معاون ومددگار بھی سمجھتے ہیں کہ امام موصوف کا عمل حجت ہے ہم ان سے عرض کریں گے کہ امام ممدوح نے تو اپنے ساتھیوں کو ہر ایسی کارروائی سے منع کر دیا تھا جو احترام انسانیت کے منافی ہو، یہاں تک کہ جنگِ صفین میں شیعانِ علیؓ نے نہر فرات پر جو رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں تاکہ شامی لشکر کی پانی تک رسائی نہ ہو امام موصوف نے وہ رکاوٹیں دور کرنے کا حکم دیا اور اپنے لشکر کو کسی بھی ایسے عمل سے روک دیا جو مردانہ جنگوں میں جاری طریقہ کار سے میل نہ کھاتا ہو۔ جب بلوائیوں نے خلیفہ حضرت عثمانؓ بن عفان کو قتل کیا اور امام علیؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کے منہ پر طمانچہ مارا کہ انہوں نے باغیوں کو شہید خلیفہ کے نزدیک آنے سے روکا کیوں نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حسن وحسین کا امام علیؓ کے نزدیک بڑا مقام و مرتبہ تھا جس کا اظہار انہوں نے ایک جنگ کے موقع پر کیا تھا جب دونوں صاحبزادے دشمن کی صفوں میں پیشقدمی کر رہے تھے فرمایا:۔

"املکوا عنی الغلامین فإنی أخاف أن ینقطع نسل رسول اللہ"

"مجھ سے یہ دو بچے لے لو میں ڈرتا ہوں کہ (ان کے قتل سے) کہیں رسول اللہؐ کی نسل نہ کٹ جائے"

اور جب ہم عصر نبوی پر تحقیقی نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں علم الیقین حاصل ہو جاتا ہے کہ

دہشت گردی قسم کی کوئی چیز ان کے ہاں معروف نہ تھی۔ جب ابو لؤلؤ نے خلیفہ عمر بن خطاب کو یہ کہتے ہوئے دھمکی دی کہ:۔

"سأصنع لك رحى تتحدث عنها العرب"

میں تمہارے لئے ایسی چکی تیار کروں گا جس کی اہلِ عرب باتیں کیا کریں گے۔"

تو خلیفہ نے فرمایا:۔

"هددني ابن المجوسية۔"

"مجوسی عورت کے بیٹے نے مجھے دھمکی دی ہے۔"

لیکن خلیفہ نے اس کا کوئی بندوبست نہیں کیا، اسے قید کرنے یا شہر بدر کرنے کا حکم بھی نہیں دیا۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دھوکہ دہی سے قتل کرنے کا مسلمانوں کے ہاں تصور تک نہیں تھا نہ عصرِ رسالت میں اور نہ ہی عہد خلفاء راشدین میں اور اسے ان کے ہاں کوئی نہیں جانتا تھا اسی لئے مسلمانوں نے سنجیدگی اور احتیاط سے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ خلیفہ عمرؓ بن خطاب کے مجوسی ابو لؤلؤ کے ہاتھوں دھوکہ سے قتل ہونے کے بعد بھی ان کے جانشین عثمانؓ اور علیؓ نے خلیفہ عمرؓ کے ساتھ جو ہوا تھا اس قسم کی کسی مزید کارروائی سے بچنے کے لئے کوئی احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کیں، سو وہی ہوا جس کا ڈر تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قتل بھی دہشت گردی کے مشابہ تھا اور امام علیؓ ابن ملجم نامی ایک خارجی کے ہاتھوں نمازِ صبح کے دوران قتل ہوئے ایک سے زیادہ مرتبہ ان سے کہا گیا کہ خوارج سے چوکنا رہیں لیکن وہ اس قسم کی نصیحت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے تھے:۔

"كفى بالموت حارسا"

"نگرانی کے لئے موت کافی ہے۔"

ان تمام واقعات کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحیح اسلامی معاشرہ اس بات سے

ایسا کرتا ہے کہ دہشت گردی اور دھوکے سے قتل جیسے جرائم اس کے نام منسوب ہوں ۔ اسی وجہ سے ایسے کسی کام کو اسلام نے کبھی کوئی قانونی تحفظ نہیں دیا بلکہ اسے وقتی مجرمانہ حرکت کی حیثیت سے ہی دیکھا ہے جس سے اسلام بری الذمہ ہے اور مسلمان بیزار ہیں اور ایسی تخریبی کارروائیوں کا ارتکاب صرف ابو لؤلؤ مجوسی اور ابن ملجم خارجی جیسے بدقماش ہی کرتے ہیں اور ایسی مثالیں مسلم معاشرہ میں نادر و کمیاب ہیں ۔

میں ایک بار پھر تخریب کاری اور دہشت گردی کے بارے میں کہوں گا کہ ان تخریبی کارروائیوں کے پس پردہ باقاعدہ پلاننگ کرنے والے لوگ ہوتے ہیں جو ایسے لوگوں کی نفسیاتی کمزوری کو سمجھتے ہیں جو ایسی دہشت گردی کی کارروائیوں کے لیے اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر پیش کرتے ہیں ، ان کی بیقرار طبیعت ، جذباتی مزاج سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں ، انہیں غزال چشم حوروں اور بلوریں جام شراب طہور کی امیدیں دلاتے ہیں ۔ شجاعت و بہادری تاریخ میں ہمیشہ رہنے اور ظلم کا بدلہ لینے کے دروس ان کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے مزید جلتی پر تیل کا کام دیتے ہیں ۔ اس طرح انہیں قربانی کے بکرے بنا کر جانے روزِ ؟ پر بھیج کر خود میدانِ کارزار سے دور بیٹھے رہتے ہیں تاکہ اپنے مطلوبہ نتائج کے فوائد حاصل کریں یہی ان کا اصل مقصد ہے ۔ خود ہمیشہ مضبوط اور محفوظ قلعوں میں وقت گزارتے ہیں سادہ لوح کارکنوں کو میدان قتل و غارت گری میں جھونک دیتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امام علیؓ کے نام پر بے گناہ انسانی جانیں اور لوگوں کی املاک تباہ و برباد کرتے ہیں ۔

نمازِ جمعہ

میں پختہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ ہمارے فقہاء نے نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد کیا جس کا واحد سبب یہ تھا کہ وہ عظیم متحدہ اسلامی صف میں ایک نیا فرقہ پیدا کر کے شیعہ کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ نمازِ جمعہ میں دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ شرکت سے باز رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (۱)

"مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور (خرید و) فروخت ترک کر دو، اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

اسلام نے اس قطعی نص صریح کے ذریعے نماز جمعہ مشروع قرار دی اور اسے ہر اس شخص پر فرض کیا جو اللہ، رسول اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان رکھتا ہے لیکن شیعہ فقہاء سامحہم اللہ کی اکثریت نے اس نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد کیا اور جمعہ کے دن نماز ظہر اور جمعہ میں سے ایک کو ادا کرنے کا موقف اختیار کیا اس نص پر اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا کہ اقامتِ جمعہ کے لئے "امام" کی موجودگی شرط ہے اور امام سے مراد امام مہدی ہیں۔ ان کی غیبت کے زمانہ میں جمعہ کا فرضِ عین ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کو یہ اختیار ہے کہ جمعہ یا نماز ظہر میں سے جو چاہیں ادا کریں۔

ہمارے فقہاء شیعہ میں سے ایک دوسرا گروہ یہاں تک کہتا ہے کہ غیبتِ امام کے زمانے میں جمعہ ادا کرنا حرام ہے نماز ظہر ہی اس کے قائم مقام ہوگی۔ ہمارے فقہاء کی ایک چھوٹی سی جماعت ایسی بھی ہے جن میں شیخ حر العاملی مؤلف کتاب (وسائل الشیعہ)

جیسے بعض چوٹی کے علماء بھی شامل ہیں جو زمانۂ غیبتِ امام میں بھی جمعہ واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

میں یہاں بھی ایسے بے مقصد اور لایعنی فقہی جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا جو ہزار برس سے فقہاءِ اسلام سے حل نہیں ہوسکا اور اگر ہم انہی قدیم روایات کی زبان میں گفتگو کرنا چاہیں جن پر شیعہ فقہاء کا اعتماد ہے تو یہ مسئلہ ہرگز حل نہیں ہوگا۔

غیبتِ امام کے زمانے میں جمعہ ساقط ہونے کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا رہا ہے سب صریح نص سے متصادم ہے جس میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں بشرطیکہ ہم دستورِ اسلام کے پابند ہوں۔ ہمارے سامنے ایک واضح، صریح اور ناقابلِ تغیر دستور تھا جس میں کوئی قید نہ شرط، میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاء کو ائمۂ شیعہ کی طرف منسوب روایات پر اعتماد کرتے ہوئے اس واضح، بلیغ نص قرآنی کے مقابلے میں اجتہاد کی ہمت کیسے ہوئی؟ ان روایات کے بارے میں بھی میرا وہی موقف ہے جو باقی تمام من گھڑت جھوٹی روایات کے بارے میں ہے، مجھے اس میں کبھی شک نہیں گزرا کہ ان روایات کا زیادہ حصہ شیعہ اور تسنن کے مابین معرکہ آرائی کے عصر اول میں معرضِ وجود میں آیا تاکہ شیعہ کو جمعہ کی نمازوں میں شرکت سے روکا جاسکے جو درحقیقت شوکتِ اسلام کے اظہار کا ایک بڑا ذریعہ ہے اور وہ اسلامی فرقوں کے ساتھ میل جول اور ان کی معیت میں اس عظیم اسلامی شعار میں شرکت سے بھی باز رہیں۔

میں نے جو رائے اختیار کی ہے اس کی ایک اور واضح دلیل بھی ہے جو ان تمام لوگوں پر مخفی رہی جنہوں نے نماز جمعہ کے موضوع پر لکھا اور اس کی تاریخ بیان کی میری مراد اس سے یہ ہے کہ صفوی بادشاہ جو ایران میں شیعیت کے حامی تھے اور تشیع کے سر جو بدعتیں تھوپی گئیں زیادہ تر انہی کی حوصلہ افزائی اور سیاست کا نتیجہ ہیں، نماز جمعہ کے پرزور علمبرداروں میں سے تھے۔ ایران کی سب سے بڑی اور وسیع ترین مسجد صفوی بادشاہوں کے عہد میں ہی تعمیر ہوئی اور

مرکزی مسجد کا نام ہی (مسجد الجمعہ) تھا۔ ایران کا کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں اس طرح کی کوئی بڑی مسجد نہ ہو اور اس کے امام کو (امام الجمعہ) کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا اور خاص فرمانِ شاہی سے اس کی تعیین ہوتی تھی اور یہ منصب قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا جو کسی بڑے عالم کو سونپا جاتا اور اکثر اوقات تو (شیخ الفقہاء) کو اس سے نوازا جاتا تھا اور یہ عہدہ شاہی خاندان کے محل سرا میں بھی موجود تھا تا آنکہ چند برس پیشتر ایران میں شہنشاہیت نے دم توڑا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیبتِ امام کے زمانہ میں حرمتِ جمعہ کا شوشہ صرف ان ممالک میں چھوڑا گیا جہاں شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے باہمی روابط خاصے مضبوط تھے تاکہ شیعہ کو عام مسلمانوں کی متحدہ جماعت کے ساتھ یکجہتی اور ہم آہنگی سے روکا جاسکے لیکن ایران میں جہاں شیعہ اکثریت میں تھے شیعہ فقہاء نے نمازِ جمعہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ملک کے طول و عرض میں تمام مساجد میں جمعہ کا اہتمام ہوتا تھا البتہ فقہی نظریہ کی حیثیت سے جمعہ اور نماز [illegible] ایک کے اختیار کا فتوے موجود تھا ایران کے شہروں کی بعض مساجد میں جمعہ ادا کیا جاتا تھا [illegible] دوسری مساجد میں نمازِ ظہر پڑھی جاتی تھی۔

ان سطور کی تالیف تک بعض شیعہ فقہاء جو بقیدِ حیات ہیں نمازِ جمعہ واجب ہونے اور غیبتِ امام میں اس کے ساقط نہ ہونے کا فتوے دیتے ہیں لیکن ایسے فقہاء کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں سے زیادہ نہیں ہوگی، یہ لوگ فقہی تاریخ میں ہمیشہ قلیل اقلیت شمار ہوتے رہے۔

ایران میں فقہاء کے زمامِ اقتدار سنبھالنے کے بعد نمازِ جمعہ حکومت کے بنیادی سیاسی معاملات میں داخل ہوگئی اور "ولایتِ فقیہ" نے ہر شہر میں ایک امام مقرر کیا جسے "امام الجمعہ" کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل شاہِ ایران اپنے عہدِ حکومت میں بھی یہی کرتا تھا البتہ اب کہ حکومت نے اس کے لئے ایک نیا نام تجویز کیا ہے اسے "الصلاۃ العبادی السیاسی" کہتے ہیں خطیب حضرات خطبہ جمعہ میں حالاتِ حاضرہ، سیاست اور ملکی مسائل وغیرہ موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں [illegible] اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کہ خطبے میں کیا کہا جاتا ہے کیوں کہ اہم بات یہ ہے کہ

فریضہ جمعہ پر عمل ہونا چاہیئے ، رہا یہ کہ خطباء کس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں یا کیا کہتے ہیں تو یہ ان کا مسئلہ ہے ۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ایران سے باہر جن علاقوں میں شیعہ آباد ہیں وہاں تاحال نمازِ جمعہ متروک ہے شیعہ اپنی مساجد میں جمعہ کے دن اس کا اہتمام نہیں کرتے ۔ میں یہاں پر گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ نص قرآنی اور مقاصد و روح اسلام کے منافی اس طرز عمل کو ختم کر کے شیعہ کو اپنی اصلاح کرنی چاہیئے ۔

طریقۂ اصلاح

اگر شیعہ آبادی کے علاقوں میں اس اہم فرض کی ادائیگی کی ذمہ داری ائمہ مساجد پر چھوڑ دی جائے تو مزید کئی صدیوں تک یہ عمل متروک رہے گا کیونکہ شیعی مساجد کے امام اکثر و بیشتر اپنے دینی مراجع میں کسی مرجع یا فقیہ کے اوامر پر کاربند رہتے ہیں اور ایسا امام جس نے کسی دینی مرجع کو یہ مقام دے رکھا ہو اپنے پیشوا کے فتویٰ سے تجاوز کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا خاص طور پر جب اس کی مادی زندگی کا انحصار بھی اس کے اسی پیشہ اور اپنے سربراہ کی اطاعت پر ہو ۔ اس صورت حال میں پیروایان شیعیت کا فرض ہے کہ وہ اپنے ائمہ مساجد کو نمازِ جمعہ ادا کرنے پر مجبور کریں اور ان سے اس فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کریں اور اگر ائمہ انہے تسلیم نہ کریں تو انہیں ادائیگی جمعہ کے لیے ان مساجد کا رُخ کرنا چاہیئے جہاں جمعہ پڑھایا جاتا ہے کیوں کہ اس الہٰی فرض کی بجاآوری تمام حالات میں ضروری ہے اور یہ کسی حالت میں ساقط نہیں ہوتا ۔

مجھے پختہ یقین ہے کہ اگر تعلیم یافتہ ، بیدار مغز فرزندانِ شیعیت اس عظیم اسلامی شعار کی پابندی کریں تو تفرقہ بازی کی ایک بڑی خلیج پاٹنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور تفرقہ سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے ، اس طرح وہ وسیع تر اسلامی وحدت کا از سرِ نو آغاز کریں گے اور اس کے حامی ہوں گے ۔

تحریفِ قرآن

تحریفِ قرآن کا قائل ہونا اس پر ایمان کے منافی ہے۔

معلوم نہیں کیسے کوئی شخص تحریف قرآن کا قائل ہو سکتا ہے درآں حالیکہ اس کے سامنے صریح نص ہو جو تحریف کے متعلق تمام اقوال کا صفایا کر دیتی ہے۔ میں اس بات کو سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ کوئی شخص قرآن کریم کے مندرجات کے خلاف رائے پر قائم رہتے ہوئے قرآن پر ایمان لانے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے قرآن پاک کی آیت کریمہ :-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ (۱)

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن میں تحریف کے خلاف ہر طرح کے استدلال سے ہمیں مستغنی کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دو ٹوک الفاظ میں یہ وعدہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کو اضافہ، تحریف اور دیگر ہر قسم کی غیر سنجیدہ حرکت سے محفوظ رکھے گا۔ تمام اسلامی فرقوں کو دیکھا جائے تو معدودے چند علماء ہی تحریف قرآن کے قائل ہیں البتہ ان میں شیعہ علماء و محدثین کی اکثریت ہے۔ شیعہ علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی وہ بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، جب کہ ایک دوسرا فریق پورے اصرار و ضد سے تحریف کا قائل ہے۔ "نوری" کا تعلق بھی اسی مؤخر الذکر گروہ سے ہے جس نے اس موضوع پر کتاب لکھی اور اس کا نام "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الأرباب" رکھا، اس میں کچھ عبارتیں نقل کی ہیں جنہیں وہ بزعم خویش تحریف شدہ آیات قرآنیہ سمجھتا ہے۔ اس موضوع پر انصاف پسندی سے غور کرنے

(۱) الحجر ۹

والا شخص بخوبی جان سکتا ہے کہ شیعہ محدثین جو بخوشی تحریف قرآن کے قائل ہوئے تو اس کا سبب ان آیات سے استدلال تھا جو حضرت علیؓ کی امامت پر نص تھیں انہی مزعومہ محرف آیات کی بنیاد پر بعض بڑے شیعہ علماء اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ قرآن میں امامتِ علیؓ پر کسی نص الٰہی کا وجود نہیں ہے۔

شیعہ علماء کے نزدیک تحریف قرآن کے نظریے کو ایک اور بڑی رکاوٹ کا سامنا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے ایام میں عام مسلمانوں کے پاس موجود اسی قرآن کو قائم رکھا اگر اس کی آیتوں یا سورتوں میں کہیں تحریف کر دی گئی تھی تو امام علیؓ نے بتا دیا ہوتا اور صحیح آیات کو دوبارہ قرآن میں ثبت کر دیا ہوتا۔

تحریف قرآن کا نظریہ ان افکار میں سے نہیں ہے جو شیعی ماحول میں خطرناک اثرات کے حامل عام نظریے کی حیثیت سے رائج ہو سکتے ہوں کیوں کہ شیعہ کی ایک بڑی اکثریت اس پر یقین نہیں رکھتی اور نہ ہی اس بحث میں پڑتی ہے جس کی وجہ ہمارے کئی علماء کا یہ قول ہے کہ قرآن پاک تحریف سے محفوظ ہے البتہ اس وقت یہ نظریہ افسوسناک صورت اختیار کر لیتا ہے جب ناشر حضرات کوئی ایسی کتاب شائع کر دیتے ہیں جو ہمارے علماء نے تحریف کے حق میں تالیف کی ہیں پھر وہ کتابیں عام لوگوں میں تقسیم ہوتی ہیں دوسری کتابوں میں درج کرنے کے لئے ان سے اقتباسات لئے جاتے ہیں جو تمام مسلمانوں کے مطالعے میں آتے ہیں۔

اس صورتحال کے پیشِ نظر ہم شیعہ ممالک کے تمام ناشرین کتب کی خدمت میں اصلاح و تصحیح کی اپیل کرتے ہیں کہ یہ کتابیں چونکہ قرآن کریم اور اس کی نصوص کے خلاف ہیں لہٰذا انہیں شائع کرنے سے باز رہیں، اس سے اسلام اور قرآن کی شہرت کو نقصان پہنچتا ہے۔ کتاب اللہ جو مسلمانوں کیلئے ابدی دستور ہے اگر اسے کوئی کمزوری لاحق ہو گی تو مسلمان کمزور ہوں گے اور اگر اسے قوت حاصل ہو گی تو مسلمان طاقتور ہوں گے۔

جیساکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں فقہاء شیعہ کی اکثریت کے ہاں رائج نظریہ قرآن میں عدم تحریف ہی ہے لیکن اس کے علاوہ ایک تیسری رائے بھی ہے جو خاصی نامانوس اور عجیب وغریب ہے۔ شیعہ راویوں کی بیان کردہ چند روایتوں کے علاوہ اس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے اور ہم اپنی اصلاح شیعیت کی تحریک میں اس قسم کی شاذ آراء کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ان آراء کا اشارۃً ذکر ہم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں تاکہ اصلاح وتصحیح جامع اور مانع ہو۔ یہاں ہم شیعہ کے ایک بڑے عالم امام "خوئی" کی رائے پیش کرتے ہیں موصوف اپنی تفسیر "البیان" کے صفحہ ۲۵۹ پر شیعہ سمیت مسلم فقہاء ومحدثین کی قرآن کریم میں تحریف یا عدم تحریف کے موضوع پر آراء پیش کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں :-

"ہمارے مذکورہ بیان سے قاری پر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ تحریف قرآن کی حدیث خرافات میں سے ہے اس کا قائل یا تو کوئی ضعیف العقل ہو سکتا ہے یا جس نے اس کے تمام پہلوؤں پر کما حقہ، غور نہ کیا ہو یا وہ شخص جو مجبور ہو۔ صرف اس قسم کے لوگ اس قول کو پسند کرتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے کوئی بھی عقلمند، انصاف پسند اور غور وفکر سے بہرہ ور شخص اس میں شک نہیں کرے گا کہ یہ رائے باطل اور خرافات ہے"۔

دوسری رائے جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے وہ بھی اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۲ پر مذکور ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

"اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس ایک مصحف موجود تھا جس کی سورتوں کی ترتیب موجودہ قرآن سے بالکل متغایر تھی سر برآوردہ علماء کا اس پر اتفاق ہمارے لیئے کافی ہے اس کے اثبات کے لیئے مزید کسی تکلف کی ضرورت نہیں ایسے ہی یہ بات اکثر

اس قرآن میں کچھ زائد چیزیں تھیں جو اس وقت موجود قرآن میں نہیں ہیں یہی اگرچہ درست ہے مگر یہ اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ وہ زائد چیزیں قرآن کا حصہ تھیں اور انہیں تحریف کر کے اڑا دیا گیا ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ زائد اشیاء تفسیر تھیں جو تاویل اور مفہوم کلام کے طور پر لکھی گئی تھیں یا مقصدِ قرآن تھا یا منشاء و مراد کی تشریح کے لئے وحی الٰہی تھی۔"

ان عبارتوں سے ہمارے فقیہہ موصوف امام علیؓ کے مصحف کا وجود ثابت کرتے ہیں جو عام مسلمانوں کے پاس موجود قرآن سے مختلف نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس حیرت انگیز جملے کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں۔

"یا وہ زائد اشیاء قرآن کی تفسیر کے لئے وحی الٰہی کی حیثیت سے لکھی ہوئی تھیں"

سمجھ نہیں آتی کہ شرح یا تفسیر قرآن کو مصحف کہنے پر اصرار کا کیا مطلب ہے؟ اور موصوف نے جس اجماع کا درج ذیل الفاظ سے دعوےٰ کیا ہے اس کا وجود کہاں ہے۔

"نامور علماء کا اس کے وجود پر اجماع ہمارے لئے کافی ہے۔ اس کے اثبات کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں"

علماء نے اس پر کب اجماع کیا سوائے ان چند لوگوں کے جنہوں نے امام علیؓ کی طرف منسوب کلام پر اعتماد کیا ہے طبرسی نے اپنی کتاب "الاحتجاج" میں اس کا حوالہ دیا ہے امام علیؓ کے خطبات اور سیرت پر غور کرنے والا محقق شخص ان اقوال کے نامانوس محتویات کی وجہ سے انتہائی شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ایسا کلام امام علیؓ جیسی شخصیت سے کیونکر صادر ہو سکتا ہے، نیز دوسرے حیرت انگیز جملے سے کیا مراد ہے؟ کیا قرآن کی کوئی ایسی شرح بھی ہے جو خود ذاتِ الٰہی کی طرف سے نازل ہوئی ہو مگر قرآن کا جزء نہیں، تو منزل من اللہ قرآن دو چیزوں پر مشتمل ہوا ایک متن اور دوسری شرح۔ متن تو تمام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور شرح صرف امام علیؓ کے پاس تھی۔

اگر میرا حافظہ مجھے دھوکہ نہیں دے رہا تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے مصحف کے موضوع پر علامہ کبیر موخوئی" سے گفتگو کی تو موصوف نے بھی طبرسی کی مذکورہ روایت کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش نہیں کی تھی ہماری ملاقات تند و تیز بحث و جدل پر ختم ہوئی، میں اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی کا امیدوار ہوں اگر میں نے اپنے اُستاذ گرامی کے ادب و احترام سے تجاوز کیا جن سے میں نے کچھ وقت فقہ اور اُصول فقہ کا درس لیا یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نجف میں زیر تعلیم تھا۔

ہمارے فقہاء و علماء امام علیؓ کے پاس خاص مصحف ہونے کی دلیل وہی روایت پیش کرتے ہیں جسے طبرسی نے اپنی کتاب (الاحتجاج) میں ذکر کیا ہے امام علیؓ فرماتے ہیں:

"اے طلحہ! ہر وہ آیت جو اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی میرے پاس اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی اور رسول اللہ کی اِملاء کروائی ہوئی موجود ہے اور ہر آیت کی تاویل بھی جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری اور ہر حلال و حرام اور حکم قیامت تک اُمت کو جس کی ضرورت پڑ سکتی ہے، سب میرے پاس آنحضرتؐ کی اِملاء اور میرے ہاتھ سے لکھا ہوا موجود ہے حتٰی کہ خراش کا جرمانہ بھی مذکور ہے۔" (۱)

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس روایت میں واضح ضعف اور حیران کن غرابت ہے اور اسی غرابت کی وجہ سے ان گنت اور بے شمار سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ امر توجہ طلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے احکام کی صرف امام علیؓ کو بطور خاص کیوں تعلیم دی جن کی پوری اُمت کو تا قیامت ضرورت ہے لیکن آپ نے اُمت کو ان کی خبر نہیں دی بلکہ انہیں چھپائے رکھا جبکہ قرآن کہتا ہے:

---

(۱) تفسیر البیان، امام الخوئی ص ۲۲۲

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ" (۱)

"اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سُنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .... الآیۃ ..." (۲)

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے اپنا دین مکمل کر دیا۔"

امام علیؓ نے اپنے پیشرو خلفاء کے عہد میں یا خود اپنے عہدِ خلافت میں یہ احکام بیان کیوں نہیں کئے اور ان احکام کو چھپائے کیوں رکھا جن کی پوری اُمّت کو قیامت تک ضرورت تھی اور ان میں حلال و حرام حتیٰ کہ زخموں کے جُرمانہ کا بھی ذکر ہے۔ درحقیقت یہ پریشان خیالی ہے جو عقل و دانش میں خلل انداز ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی عقلوں میں ہم بخوبی اسے پڑھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کی روایتیں وضع کیں اور امام علیؓ کی طرف انہیں منسوب کیا۔ اس پر مستزاد یہ مصیبت کہ ہمارے فقہاء۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ نے ایسی روایات پر اعتماد کیا اور انہیں مسلّمات کی حیثیت دی۔

اصلاح کا طریق کار

جو کچھ بھی کتب شیعہ میں امام علیؓ کے مصحف کے بارے میں لکھا یا کہا گیا ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ امام علیؓ کے گرد ان لوگوں کے حسب منشاء حد سے بڑھے ہوئے ادب و احترام کا ہالہ بنانے کی کوشش ہے جو ان جھوٹی کہانیوں کے پس پردہ تھے اور ان

(۱) سبأ، ۲۸

(۲) المائدۃ، ۲

کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ امام علیؓ نبی علیہ السلام کے جانشین اور خلافت کے اوّلین حقدار تھے اسی۔ لئے وہ اپنے پاس ایک مصحف محفوظ رکھے ہوئے تھے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں تھا۔ معاملے کی ظاہری صورتحال تو یہی ہے لیکن حقیقت میں ان لوگوں نے دوسری طرف امام علیؓ کے ساتھ گستاخی کی ہے امام موصوف کا تعارف اس طرح کرایا کہ ان کے پاس احکام الٰہی کا ایک ذخیرہ تھا۔ جس میں حُدود، حلال و حرام، اور تمام وہ امور تھے جن کی اُمتِ محمدیہ کو تا قیامت ضرورت پڑ سکتی ہے، حضرت علیؓ نے انہیں مخفی رکھا اور صرف اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو بتلائے جو منصب امامت پر فائز تھے اور ائمہ نے بھی اپنے اپنے زمانے میں مسلمانوں سے انہیں چھپائے رکھا حتیٰ کہ اپنے شیعہ تک کو نہیں بتایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام علوم و معارف بارہویں امام کے غائب ہونے کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اندھی محبت جب حد سے گزرتی ہے تو اس کا نتیجہ بے لگام گستاخی ہوتا ہے کوئی بھی چیز جب حد سے گزر جائے تو الٹ ہو جاتی ہے۔

"ہر زوالے را کمالے ہر کمالے را زوال"

یہیں سے ہم ایک بار پھر اپنے اصلاحی نظریے کی بات چلاتے ہیں اور امام علیؓ اور تمام ائمہ شیعہ کے گرد بنے ہوئے وہم گمان کے جال سے نکلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان لوگوں نے گویا سورج کے گرد ٹمٹماتے ستارے رکھ کر یہ باور کرایا ہے کہ ان سے سُورج کی آب و تاب میں اضافہ ہوگا گویا کہ ان کی حالت ان لوگوں کی سی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ (۱)

"وہ لوگ جن کی سعی دُنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔"

(۱) الکہف، ۱۰۴

باوجود اس کے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ کے نام سے گھڑی گئی زیادہ تر روایتیں غیبت کبریٰ کے بعد وضع کی گئی ہیں اور یہی وہ زمانہ ہے جسے ہم شیعہ اور تشیع کے درمیان آئین معرکہ آرائی کا زمانہ کہتے ہیں مگر انصاف پسند غور و فکر کرنے والا شخص یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ائمہ شیعہ کے عہد میں بھی ان کے نام سے منسوب احادیث وضع کی گئیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے احادیث وضع کرنے کا عمل عصر رسالت کے بعد مسلمانوں کو ذہنی طور پر مشغول کئے ہوئے تھا البتہ ائمہ شیعہ کی طرف منسوب موضوع روایات سے ان کے لوگوں میں موجود ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی میں پُرخطر اثرات نہیں تھے لوگ براہ راست ان سے رابطہ قائم کرکے ان روایتوں کے بارے میں پوچھ سکتے تھے۔ امام صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

إن على كل حق حقيقة وعلى كل صواب نورًا فما وافق كتاب الله فخذوه وما خالف كتاب الله فدعوه.

ہر حق پر حقیقت کا رنگ اور ہر راستی پر نور ہے جو امر کتاب اللہ کے موافق ہو اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اور جو کتاب اللہ کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔"

ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ انہوں نے امام صادق سے دو حدیثوں کے باہم اختلاف کے متعلق دریافت کیا جن کے کچھ راوی ثقہ اور کچھ غیر ثقہ ہوں تو فرمایا:

وإذا ورد عليكم حديث فوجدتم له شاهدا من كتاب الله أو من قول رسول الله وإلا فالذي جاءكم به أولى به- (1)

جب تم تک حدیث پہنچے اور تمہیں کتاب اللہ یا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(1) الکافی ج ۱ ص ۶۹

میں اس کا شاہد مل جائے (تو اس پر عمل کرو) ورنہ تم تک پہنچانے والا ہی اس کا ذمہ دار ہے۔"

امام صادق ہی سے ابن ابی عمیر نے یہ قول روایت کیا ہے۔

من خالف کتاب اللہ و سنۃ محمدٍ فقد کفر" (۱)

"جس نے اللہ کی کتاب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی بلاشبہ وہ کافر ہو گیا"

امام نے ایک اور مقام پر فرمایا:۔

کل شیئ مردود الی الکتاب و السنۃ و کل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فہو زخرف۔ (۲)

"ہر بات کتاب و سنت پر لوٹائی جائے گی اور ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مطابق نہیں وہ ملمع سازی ہے۔"

اس طرح امام صادق نے صحیح اور موضوع احادیث کے مابین تمیز کرنے کے لئے واضح طریقہ مقرر فرمایا اور اسی طریقہ پر سچی اور جھوٹی روایات کے مابین تمیز کرنی چاہیئے تاکہ دین کے نام پر دین میں پیدا ہونے والی بدعات کا سدِ باب ہو سکے۔

یہ بحث ختم کرنے سے پہلے میں یہ اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ شیعہ عالم نے اپنی کتاب میں مصحف علیؓ کے ساتھ ساتھ مصحف فاطمہؓ کا تذکرہ بھی کیا ہے اس کے متعلق ہمارا موقف وہی ہے جو ہم مصحف علیؓ کے متعلق رکھتے ہیں اور اس بارے میں جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں وہی کافی ہے۔

---

(۱) الکافی ج ۱، ص ۷۰

(۲) " " " ۶۹

الجمع بین الصلاتین

(دو نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا)

نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے اور قرآن کریم کہتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۔ الاحزاب: ۲۱

"تم کو اللہ کے پیغمبر کی پیروی کرنی بہتر ہے۔ (یعنی اس شخص کو) جسے اللہ (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو"

شیعہ امامیہ حضر میں بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کے قائل ہیں اور وہ اس موقف میں تمام اسلامی فرقوں میں منفرد ہیں۔

اس فقہی اختلاف میں میرا موقف دوسرے فقہی مسائل کی نسبت بالکل مختلف ہے مگر یہ طرزِ عمل جس کے ساتھ شیعہ منفرد ہیں وسیع اسلامی اتحاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتا ہے خصوصاً جبکہ شیعہ فقہاء کی اکثریت مقررہ اوقات میں نماز پڑھنے کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیتی ہے لیکن عملی طور پر جمع کر کے ہی پڑھتے ہیں اور شیعہ کی مساجد میں عادۃً اس کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

پانچ نمازیں اپنے مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہیں، انہی اوقات کی نسبت سے ان کے الگ الگ نام بھی ہیں، چنانچہ عصر کا وقت ظہر سے مختلف ہے عشاء بھی وقت کے اعتبار سے مغرب سے الگ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نمازوں کو ان پانچ اوقات میں فرض کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دین کا ستون اور اسلامی شعائر میں سے قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں واقع اپنی مسجد میں پانچ اوقات میں نماز پڑھتے تھے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ سمیت تمام خلفاء کا عمل بھی یہی رہا ائمہ شیعہ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ اگر آپؐ نے سفر کے بغیر ایک یا دو بار دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا بھی تو وہ مرض یا کسی دوسری وجہ سے جمع کی رخصت بیان کرنے کے لئے تھا۔ رہا آپ کا مستقل عمل

تو آپ نے ہمیشہ پانچ اوقات کی پابندی فرمائی۔

کاش! میں جان سکوں کیا واضح سنّی اکثریت کے ساتھ اختلاف کے اس مظاہرہ کا کوئی فائدہ بھی ہے یا کہ عام انسانوں کا وضع کردہ عمل ہے جس سے ان کی غرض شیعہ کو وحدت کے تمام مظاہر سے دُور رکھنا تھا پھر فقہاء اور ائمہ مساجد دانستہ یا نادانستہ اسی پر کاربند ہو کر رہ گئے۔

ہم تحریکِ اصلاح و تصحیح میں فکری اور عملی ہر دو اعتبار سے اتفاق کو اہمیت دیتے ہیں اور ہمارا پیغام یہی ہے کہ فکری اور عملی اختلاف کے تمام مظاہر اور ان کے متعلقات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے اور یہ کام عہدِ رسالت کی طرف پلٹے اور آپ کی سنّت پر سختی سے کاربند ہوئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ایسا ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور آپ کے طریق کار کے بالمقابل دوسروں کے عمل و آراء کو افضل خیال کرتا ہو۔ اسی بنا پر ہم شیعہ ائمہ مساجد اور خود شیعہ کو تنبیہ کرتے ہیں کہ بروقت نماز ادا کرنے کا التزام کریں اور وہ پانچ نمازیں اپنے پیشِ نظر رکھا کریں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ منورہ میں واقع اپنی مسجد میں ادا کرتے تھے اور اس راستے سے انحراف نہ کریں جو پیغمبرِ اسلام نے اہلِ اسلام کے لئے مقرر فرمایا ہے اس لئے کہ ان کی عزت، کرامت اور شوکت آپ کی اقتداء کرنے اور آپ کی سنّت پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔

یہ دیکھئے امام علیؓ بھی مختلف شہروں کے حاکموں کو نماز اور اس کے اوقات کے متعلق خط لکھتے ہیں اس میں ہے:

امابعد! لوگوں کو ظہر کی نماز بکریوں کے باڑے سے دھوپ لوٹ جانے سے پہلے پڑھایا کرو اور عصر کی نماز اس وقت پڑھاؤ جب کہ سورج تیز سفید اور روشن ہو اور مغرب اس وقت پڑھاؤ جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے ایک تہائی رات گزرنے

تک پڑھا دیا کرو اور صبح کی نماز اس وقت پڑھایا کرو جب آدمی اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان سکتا ہو۔" (۱)

(۱) نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۸۲

رجعت

جب دیو مالائی کہانیاں عقائد کے ساتھ اور اوہام حقائق
میں خلط ملط ہو جائیں تو ایسی بدعتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں
جو ایک ہی وقت میں ہنساتی بھی ہیں اور رُلاتی بھی — !

دو موضوع ایسے ہیں جو شیعہ امامیہ کے عقائد میں بہت بڑا مقام نہیں رکھتے اور ان کا شیعہ کی فکری اور اجتماعی زندگی پر کوئی اثر بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ جب بھی کوئی گروہ ہر چھوٹے بڑے فرق کو شمار کرنے بیٹھ جاتا ہے تو یہ دونوں موضوع شیعہ مذہب کے متعلق بحث و جدال کو خوب ہوا دیتے ہیں، یہ موضوع ہیں:

(۱) رجعت۔ (یہ عقیدہ کہ تمام ائمہ شیعہ دُنیا میں دوبارہ آئیں گے۔)

(۲) البداء۔ (یہ عقیدہ کہ بسا اوقات اللہ تعالٰی پر کسی واقعہ کے پیش آنے کے بعد نئی صورتحال کا انکشاف ہوتا ہے جس کا اسے پہلے سے علم نہیں ہوتا)

ہم اپنی اس کتاب میں ان کے تذکرے سے پہلو تہی کرنا چاہتے تھے لیکن بعد ازاں میں نے سوچا کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے مختصر طور پر مستقل اور خاص فصل قائم کرنا بہتر ہے خصوصاً ماضی قریب میں شیعہ مذہب کے متعلق مقالات اور باتوں کی اشاعت کے بعد جبکہ بہت سے قلم اور جرائد شیعہ، ان کے مذہب اور ان سے منسوب امور پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے کہا رجعت اور بداء کے موضوعات شیعہ عقائد میں اہم اور بنیادی حیثیت کے حامل نہیں ہیں حتیٰ کہ شیعہ مذہب کے بعض اعیان نے ان دونوں نظریوں کی تردید کی ہے شیعہ کی غالب اکثریت ان کے متعلق کچھ نہیں جانتی اور نہ ان کے تہ منظر سے واقف ہے خصوصاً نظریہ بداء اور اس کے گرد بعض شیعہ علماء کے اپنی کتابوں میں قائم کردہ عقلی بحث مباحثے

تو وہ قطعی طور پر نابلد ہیں، تاہم کچھ علماء شیعہ نے ان نظریوں کو اپنایا بھی ہے اور کچھ کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن اس سب کچھ سے بڑھ کر حیران کن امر یہ ہے کہ رجعت و بداء کے نظریے ان "زیارات" میں وارد ہوئے ہیں جنہیں شیعہ اپنے ائمہ کے مقبروں اور زیارت گاہوں کے سامنے شب و روز پڑھتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شیعہ کے دل و دماغ پر قابض مذہبی قیادتوں نے ان جملوں اور عبارتوں پر اعتراض کیا ہو یا ان کے مضامین کو زیارات میں سے حذف کرنے کا مطالبہ کیا ہو یا ان کے مضامین کی تردید کی ہو، حالانکہ ان میں سے بعض قائدین اپنی خاص مجالس میں نظریۂ رجعت اور بداء کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار اور ان پر نکیر کرتے رہے لیکن اعلانیہ طور پر کبھی اظہار رائے نہیں کیا، اس لئے میں نے محسوس کیا کہ احساس فرض مجھ سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کتاب کو ان دونوں نظریات کے ساتھ مکمل کروں۔ پہلے ہم رجعت کا ذکر کرتے ہیں۔

شیعہ مذہب میں رجعت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے لے کر گیارہویں امام حسن عسکری تک تمام ائمہ شیعہ اس دنیا میں دوبارہ آئیں گے تاکہ اس معاشرہ پر حکومت کریں، جس میں امام مہدی عدل و انصاف کی بنیادیں مضبوط کر چکے ہوں گے۔ امام مہدی ائمہ کی دوبارہ آمد سے قبل ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور اپنے آباؤ اجداد کی دوبارہ آمد اور عنان حکومت سنبھالنے کی راہ ہموار کریں گے اس کے بعد ان میں سے ہر ایک اپنی امامت کی ترتیب کے مطابق زمین پر حکومت کرے گا پھر دوبارہ فوت ہوگا تاکہ اس کے بعد اس کا جانشین منصب حکومت پر فائز ہو سکے اس کے بعد حکومت حسن عسکری تک پہنچے گی اور اس کے بعد روز قیامت ہوگا۔ یہ سب کچھ خلافت میں ان کے شرعی حق اور ان کی حکومت کے معاوضہ کی خاطر ہوگا جسے وہ رجعت سے پہلی زندگی میں حاصل نہ کر سکے تھے۔ جن شیعہ علماء نے "رجعت" کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اس آیت کریمہ :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ ۔ (۱)

ہم نے (نصیحت کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔

کی تفسیر یہ کی ہے کہ "العباد الصالحون" (نیک بندوں) سے مراد ائمہ شیعہ ہی ہیں۔
یہ اس نظریہ کا خلاصہ ہے جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارہ کیا ہے۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ رجعت کے موضوع پر لکھنے والوں اور ائمہ شیعہ کی جانب منسوب روایات پر مشتمل کتابوں کی مرویات سے استشہاد کرنے والوں نے ائمہ شیعہ کی دوبارہ آمد کے نظریہ پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس پر دوسرے افکار کا اضافہ کر دیا ہے اور وہ سب بھی ان ہی مرویات روایات سے اخذ کئے گئے ہیں جن کی طرف ہم کئی مرتبہ اشارہ کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دوبارہ آمد صرف ائمہ شیعہ تک ہی محدود نہیں بلکہ دوسرے افراد بھی دوبارہ آئیں گے (۱) ضمن میں وہ اصحابِ رسولؐ میں سے غیر معمولی جماعت کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ ائمہ کے دشمن تھے اور یہی لوگ ان کے حق حکومت و خلافت میں سدِّ راہ بنے تھے ان سب کو دوبارہ زمین پر بھیجا جائے گا تاکہ ائمہ ان سے اسی دنیا میں انتقام لے سکیں۔

مجھے تو کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ نظریۂ رجعت کو ثابت کرنے کے لئے روایات وضع کرنے والوں اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں کا مقصد ائمہ کی دوبارہ آمد سے زیادہ ان کے مزعوم اعداء کی دوبارہ آمد کا نظریہ ثابت کرنا تھا تاکہ ان سے انتقام لیا جا سکے اس لئے کہ یہ نظریہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین تفرقہ ڈالنے کا موجب ہو گا جس کے بعد ان کے مل بیٹھنے کا امکان ہی نہیں رہے گا۔ اگر اس نظریہ کی پشت پناہی کرنے والے ائمہ شیعہ کے لئے مخلص ہوتے تو وہ ان ائمہ کی ایسی تصویر پیش

(۱) الانبیاء ۱۰۵

نہ کرتے جس کے مطابق وہ اقتدار کی اس قدر طمع رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسی فانی دُنیا میں دوبارہ لوٹا دے گا تاکہ کچھ دیر حکومت کر سکیں جبکہ ائمہ کے لئے تو وہ جنت ہے جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، اور جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور جبکہ امام علیؑ کا ارشاد ہے۔

"وَاللہِ إِنَّ دُنیاکم ھذہ لأھون عندی من ورقۃ فی فم جرادۃ تقضمھا"

"اللہ کی قسم تمہاری یہ دُنیا میرے نزدیک اس پتے سے بھی حقیر ہے جسے مکڑی چبا رہی ہو۔"

حقیقت جو کچھ بھی ہو ہمیں بعد افسوس! اس قسم کے افکار کا سامنا ہے ہمارے بعض علماء نے تو اس کے متعلق کتاب بھی لکھی ہے اور یہ نظریہ شیعہ عقائد کا جُز نہ ہوتے ہوئے بھی ان میں جگہ پا گیا ہے۔

یہ نظریہ بہت سے فرق کے باوصف نظریۂ تناسخ سے مشابہت رکھتا ہے جسے "فیثاغورث" نے پیش کیا، اس کے مقلدوں نے اپنایا اور آج تک اس کے حامی موجود ہیں۔ یہ نظریہ متعدد صورتوں میں ظاہر ہوا اس کی مختلف تعبیریں کی گئیں اور بعض پسماندہ عقائد میں ذکر بھی ہوئیں، لیکن ائمہ شیعہ کی دوبارہ آمد کے موضوع پر تصنیف کرنے والوں نے ان امور کو بطور دلیل استعمال نہیں کیا جنہیں "فیثاغورث" کے متبعین نظریۂ تناسخ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایک جسم سے دوسرے جسم میں انتقال کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کیونکہ نظریۂ تناسخ کے قائلین کا یہ عقیدہ نہیں کہ ایک ہی شخص مرنے کے بعد واپس لوٹے گا بلکہ وہ مختلف شکل و صورت میں متعدد زندگیوں اور متعدد اموات کے قائل ہیں لیکن نظریۂ رجعت کے مطابق یہ متعین اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ایک سے زیادہ مرتبہ نہ ہوگا اسے دہرایا نہیں جا سکتا کیوں کہ اس کے بعد دوسری موت ہوگی جس کے بعد حشر کے لئے اُٹھنا ہوگا۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ جو لوگ اس نظریہ کے پس منظر میں کارفرما تھے شاید فیثاغورث کے فلسفے سے متأثر تھے اور انہوں نے اس کا

نظریہ سیاسی رنگ دے کر مذہب میں داخل کر دیا۔

میں یہ بھی نہیں جانتا کہ خاص طور پر کس زمانہ میں یہ نظریہ شیعہ مذہب میں داخل ہوا اور اس کے متعلق کتابیں لکھی گئیں، تاہم اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے بعید از عقل افکار و نظریات شیعہ اور تشیع کے درمیان معرکہ آرائی کے پہلے دور میں ظہور پذیر ہوئے جبکہ لوگ عام طور پر سادہ لوح تھے اور اس قسم کے مبالغہ آرائی پر مبنی بعید از عقل افکار کا بازار گرم اور ان کی طرف میلان عام تھا۔

یہ بدعت شیعہ افکار میں ملائی گئی دیگر بدعات سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس پر کوئی سیاسی، علمی، اجتماعی یا اقتصادی اثر مرتب نہیں ہوتا سوائے ایک چیز کے اور شاید وہی اس نظریہ کے وضع کیے جانے کا سبب بھی ہے اور وہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس قسم کی خرافات کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں مکمل دشمنی اور انتشار پیدا کرنا ہے جو ائمہ کے اصحاب رسولؐ سے اور ان لوگوں سے انتقام کے متعلق وضع کی گئیں جنہوں نے بقول ان کے امامت و خلافت کے بارے میں نص الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ اس قسم کی ہر بات زمانہ ماضی میں بھی اور اب بھی فتنہ کی آگ کو بھڑکاتی اور وحدت امت کو نقصان پہنچاتی اور باہمی الفت و قربت کے ہر موقع اور ہر مظہر کو ختم کرتی رہی ہے۔

اس مقام پر میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں جو مجھے چند سال پیشتر میرے نجف میں قیام کے دوران پیش آیا۔ میرے پاس ایک عالم تشریف لائے انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان سے ایک کتاب خرید دں جس کی تالیف و طباعت سے انہیں دنوں فارغ ہوئے تھے کتاب کا نام تھا "شیعہ اور رجعت"، میں نے کتاب کا موضوع پوچھا تو انہوں نے کہا: "ائمہ کی اس دنیا میں دوبارہ آمد کا ثبوت"۔

میں نے پوچھا: یہ کب ہو گا!

کہنے لگے ــــــ: مہدی کے ظہور کے بعد جو زمین میں عدل و انصاف کا دور

دُور کر دیں گے۔

میں نے ایک بار پھر سوال کیا، جب عدل و انصاف مکمل طور پر قائم ہو چکا ہوگا تو توان کی دوبارہ تشریف آوری کا فائدہ؟ ائمہ اس بات سے بلند تر ہیں کہ حکومت برائے حکومت کا مطالبہ کریں جبکہ امام علیؑ کا قول ہے:۔

"إن دنیاکم هذه أهون عندی من عفطة عنز إلّا أن أقیم حقا و أبطل باطلا"

کہ تمہاری یہ دُنیا میرے نزدیک بکری کے فضلات سے بھی حقیر تر ہے اِلّا یہ کہ کوئی حق قائم کر سکوں یا باطل مٹا سکوں۔

اس پر وہ عالم بگڑ گئے اور کہنے لگے، لیکن ہماری کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے ائمہ کا دوبارہ آنا ثابت ہوتا ہے۔

تو میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا: کیا بہتر نہ تھا کہ یہ موضوع امام مہدی کے لئے اُٹھا رکھا جاتا تاکہ وہ خود اس بارے میں کچھ کہہ سکتے؟

تو اس پر وہ عالم "ہائے دین کا ضیاع" کہتے ہوئے منہ پھیر کر بھاگ نکلے۔

اصلاح

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ رجعت کا نظریہ شیعہ امامیہ کے عقائد میں اہم مقام نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ بہت سے شیعہ جامعہ کبیرہ کی "زیارت" پڑھتے ہیں جو کہ اہم ترین زیارت ہے اور شیعہ کے ہاں معتبر سمجھی جاتی ہے اس میں رجعت کے متعلق صریح عبارتیں موجود ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہمارے کسی فقیہ یا دینی رہنما نے اس جملہ کی صریح طور پر تردید کی ہمت کی ہو یا اسے حذف کرنے کا حکم دیا ہو یا اس کی کوئی ایسی تشریح کی ہو جو عقل سے مطابقت رکھتی ہو۔ اگر اس کی تشریح و تفسیر ممکن ہے

تو

زیارت "الجامعہ" جس کے بعض اقتباسات کی طرف ہم قبور ائمہ کی فصل میں اشارہ کر چکے ہیں وہی ہے جسے شیعہ اپنے ائمہ کے مقبروں اور زیارت گاہوں کے سامنے سلام پیش کرنے کے لئے جاتے ہوئے پڑھتے ہیں، اس زیارت کے فقروں میں یہ عبارت بھی آتی ہے

"مؤمن بایابکم، مصدق برجعتکم منتظر لأمرکم مرتقب لدولتکم" (۱)

"میں آپکی دوبارہ آمد پر ایمان رکھتا ہوں، رجعت کی تصدیق کرتا ہوں، آپ کے حکم کا منتظر ہوں، آپ کی حکومت کے قیام کے لیے دن گنتا ہوں۔"

کوئی شک نہیں کہ اس عبارت میں رجعت سے مراد حشر میں اٹھنا نہیں کیونکہ اسلام کے مطابق اس میں تو سب انسان شریک ہیں، یہی تیسرا رکن ہے جو توحید و رسالت کے بعد آتا ہے۔ لہٰذا رجعت سے مراد اسی دُنیا میں دوبارہ لوٹنا ہی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ عبارت ہے جسے بنیاد بنا کر بہت سے شیعہ علماء نے رجعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ سو ان کی حالت ایسے ہے جیسے کسی نے موضوع یعنی من گھڑت روایت یا موضوع جملہ پر وہم و گمان کا اونچا محل تعمیر کیا ہو۔ یہاں ارسطو کے فرمودہ ایک جملہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو اس نے اپنے استاذ افلاطون کے بارے میں نظریۂ "مثالیت" (Idealism) کی طرف دعوت دینے پر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا:-

"افلاطون کے نظریہ مثالیت کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے چیزوں کی گنتی دشوار ہو اور وہ انہیں دوگنا کرلے تاکہ گنتی کرنے میں آسانی ہو جائے۔"

ایسے ہی ہمارے بعض فقہاء جب کسی جملہ کے فہم و ادراک میں دشواری محسوس کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ جملہ اصولِ اسلام اور عقل کے منافی ہوتا ہے تو بجائے اس

(۱) مفاتیح الجنان، ص ۱۰۰۵

کے کہ وہ اسے زمین پر دے ماریں اور عوام الناس کو اس سے بچائیں اور دور رکھیں۔ اس کی شرح وتفسیر میں دوگنا زور صرف کر دیتے ہیں اس طرح بدعت پر بدعت اور گمراہی پر گمراہی کا اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں نتیجۃً خرابی بسیار سے بسیار تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور شر سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

ایسی تمام عبارتوں اور جملہ مضامین سے، جو عقل سلیم اور روحِ اسلام کے منافی ہیں خصوصاً وہ عبارتیں اور جملے جن میں خلفاء راشدین اور دیگر صحابۂ رسولؐ رضی اللہ عنہم کے بارے میں طعن وتشنیع، مذمت اور ان کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ ان سے کتب زیارات کی تنقیح وتہذیب اور تطہیر ہماری اس عملی اصلاح وتصحیح کے دائرے میں داخل ہے۔ کرۂ زمین کے ہر شیعہ کا فرض ہے کہ وہ جو کچھ پڑھیں ہوشیار ہو کر، آنکھ کھول کر پوری توجہ سے پڑھیں نہ یہ کہ جو کچھ بھی لکھا ہوا یا چھپا ہوا ان کے ہاتھ میں تھما دیا جائے اسے صرف اس لئے دہراتے رہیں کہ ائمہ شیعہ میں سے کسی کے نام سے جاری ہوا ہے۔

مجھے اس میں ہرگز شک نہیں کہ ہمارے ائمہ کی طرف منسوب ان زیارتوں میں اکثر ایسی ہیں کہ اگر وہ ائمہ کے علم میں آجائیں تو وہ انہیں ایجاد کرنے والوں پر یقیناً جھوٹ اور بہتان طرازی کی حد جاری کرتے۔ روز قیامت سب سے سخت عذاب افترا پردازوں کو ہوگا۔

وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ
بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى " (۱)

"ہائے تمہاری کم بختی اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے
فنا کر دے گا اور جس نے افترا کیا وہ نامراد رہا۔"

(۱) طٰہٰ، ۶۰

بداء

"بداء" کا نظریہ درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے منافی ہے:-

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ
وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا
إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ
ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ
وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔" (1)

"اور تم جس حال میں ہوتے ہو یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی اور کام کرتے ہو ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور تمہارے پروردگار سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی یا بڑی مگر روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔"

(1) یونس: ٦١

غلطی کی غلط تفسیر یا عذر گناہ بدتر از گناہ کا مطلب مسلسل غلطی اور گناہ کرنا ہے اور تا قیامت اس سے نکلنے کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ اگر ہمارے بعض علماء کی نیت خالص، ذہن صاف اور رائے صائب ہوتی اور وہ علمی جرأت سے کام لیتے تو وہ من گھڑت کلام، جملہ یا ایسے نظریہ کی تفسیر کے لئے ایسا خاردار راستہ اختیار نہ کرتے جو واضح طور پر بیک وقت اُصولِ عقیدہ اور عقلی مسلمات کے خلاف ہے۔ نظریہ "بداء" اختیار کرنا اور پھر اس پر ڈٹے رہنا کتبِ "زیادات" اور کتبِ "روایات" میں اسے باقی رکھنا یہ اس امر کا مکمل نمونہ ہے کہ یہ لوگ گناہ پر اصرار کرتے ہیں اور ان پر حرصِ نفس غالب آجاتی ہے۔ جب صورتِ حالات ایسی ہو تو وہم وگمان سے نجات حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ توفیقِ الٰہی بھی ایسے لوگوں کے شامل حال نہیں ہوتی جن کے بارے میں ارشاد ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ" (۱)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، نہ علم رکھتے ہیں، نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن"۔

جیساکہ ہم پہلے "رجعت" کی فصل میں ذکر کر چکے ہیں کہ فرزندانِ شیعہ امامیہ کی بڑی اکثریت کو "بداء" کا مفہوم معلوم نہیں بلکہ وہ اس کا مقصد بالکل نہیں جانتے حتیٰ کہ

(۱) الحج ، ۸

آپ ان میں سے کسی سے اس کلمہ کا معنی دریافت کریں تو وہ جواب میں حیرانی کا اظہار کریں گے لیکن اس کے باوجود بڑے گہرے رنج اور افسوس کی بات ہے کہ صرف مذہبی قیادتوں کی مہربانیوں سے امت کا یہ حال ہو چکا ہے کہ دسیوں ہزار شیعہ بلکہ اگر صحیح کہیں تو لاکھوں شیعہ کی زبانوں پر بتکرار یہ کلمہ جاری ہے۔

"السّلام علیکما یامن بدا اللہ فی شأنکما"

سلامتی ہو تم پر دو شخصیتو! تمہارے بارے میں اللہ کے علم میں نئی بات آئی ہے۔"

شیعہ یہ کلمہ اس وقت کہتے ہیں جب اپنے دسویں اور گیارہویں امام پر سلام کے لئے ان کی قبروں پر حاضر ہوتے ہیں۔ شیعہ جب بھی الگ یا اکٹھے امام علی نقی اور حسن عسکری کی قبر پہ حاضر ہوتے ہیں تو یہ کلمہ بار بار دہراتے ہیں۔

"یامن بدا اللہ فی شأنکما"

حالانکہ انہیں نہ تو "بداء" کا معنی آتا ہے اور نہ ان اسباب کا علم ہے جو اس جملہ کی تالیف کے پسِ پردہ کارفرما تھے اور نہ ہی اس کے خطرناک تہ منظر کو جانتے ہیں کہ اس کلام میں اللہ رب العزت کی ذاتِ گرامی کی حکمت، ارادہ، علم اور سلطنت کی تنقیص ہے لیکن اس سب سے بڑھ کر تکلیف دہ بات یہ ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہمارے علماء میں سے کسی عالم نے شیعہ زیارتوں سے اس جملہ کو حذف کرنے کے لیے یا اس کی تلاوت کو رکوانے کے لیے آواز بلند کی ہو۔ یہ جملہ بھی ان سینکڑوں دیگر عبادتوں کی طرح ہے جس سے کتبِ زیارات و روایات بھری پڑی ہیں ہم کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ یہ سب عبادتیں رُوحِ سلام اور اساسِ عقیدہ سے ٹکراتی ہیں۔

"بداء" کا معنی اور اس کے بین السطور میں جو نظریہ پوشیدہ ہے نیز دونوں عسکری اماموں کی قبروں پر پڑھی جانے والی زیارت میں مذکور جملہ کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ امامیہ

کے عقیدہ کے مطابق امامت بالترتیب باپ سے بڑے بیٹے کی طرف منتقل ہوتی رہی البتہ امام حسن وحسین اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں امام حسن کے بعد ان کے بڑے بیٹے کی بجائے ان کے بھائی حسین کو امامت منتقل ہوئی اور یہ نصِ حدیث کی وجہ سے ہوا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"الحسن و الحسین إمامان قاما أو قعدا"

حسن وحسین دونوں ہر حال میں امام ہیں "

اس کے بعد یہ ہوا کہ اسماعیل جو شیعہ کے چھٹے امام جعفر صادق کے بیٹے تھے اپنے باپ کی زندگی میں وفات پا گئے تو امامت ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر، جو امام کے چھوٹے بیٹے تھے، کو منتقل ہوئی۔ امامت جو منصبِ الٰہی ہے کے سلسلہ میں تبدیلی کو بداء کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو نئی صورت حال پیدا ہونے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے۔ ان نئی معلومات کے بموجب امامت اسماعیل بن جعفر سے موسیٰ بن جعفر کو منتقل ہوئی اور پھر ان کی اولاد میں جاری رہی، طبعی طریق کار تو یہ ہے کہ باپ کے بعد اس کے بڑے بیٹے کو منصب امامت حاصل ہو۔

لیکن یہاں ایک حیرت انگیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ روشِ امامت کی تبدیلی کو "بداء" کا نام کیوں دیا گیا؟ اور ایک ایسی شئی ذات باری تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کی گئی صرف ایک ایسا امر ثابت کرنے کے لئے جس کے ثبوت کے لئے ہر گز ضرورت نہ تھی کہ قدرت و سلطانِ الٰہی کی تنقیص کی جاتی۔

اس سوال کا جواب ان حالات وظروف میں پوشیدہ ہے جو شیعہ اور تشیع کے مابین اولین معرکہ آرائی کے زمانے میں پیش آئے۔ امامت جب منصبِ الٰہی ہے تو اسے براہِ راست انتخاب کے تابع نہیں ہونا چاہیئے اور نہ شرعی امام کی موت سے اس کے تسلسل میں کوئی تبدیلی آنی چاہیئے اس صورت حال میں تو امامت وحیٔ الٰہی کے مطابق باپ سے بیٹے کو منتقل ہونی

چاہیئے اور وحیٔ الٰہی تو تبدیل نہیں ہوتی ۔ اسی لئے تو امامت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ تکوینی ہے ، زمان و مکان کی تبدیلیوں کے تابع نہیں ، بالکل علت ذاتیہ و معلول ذاتی کی طرح ہے جو کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ امام کو دوسرے امام کی تعیین میں دخل اندازی کا حق نہیں جو اس کے بعد امام ہوگا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے معیّن ہوتا ہے ۔ یہ فکری نزاع قبل اس کے کہ آفاقی سطح پر وسعت اختیار کرے غیبت کبریٰ سے متصل پہلے خود شیعہ کے مابین ظہور پذیر ہوا ۔ یہ تب کی بات ہے جب ان افکار میں اسماعیلی مذہب ظاہر ہونا شروع ہوا اور اس نے شیعہ کو داخلی اختلاف سے دوچار کیا ۔ مذہب اسماعیلی کی رُو سے ارادۂ الٰہی کے عین مطابق سلسلہ امامت جاری و ساری تھا اور زمانی تسلسل کے ساتھ علیؑ ، اولاد علیؑ اور ان کی نسل میں رواں تھا ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ امام کو اپنے جانشین امام کی تعیین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے معیّن ہوتا ہے ۔ جب شرعی وارث وفات پا گیا تھا تو اب کے باپ امام صادق کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ اپنے چھوٹے صاحبزادے موسیٰ کو امام نامزد کرتے بلکہ حسبِ قاعدہ امامت بڑے بیٹے اسماعیل کو منتقل ہوتی تھی ۔ شیعہ نے بھی چونکہ نظریۂ امامتِ الٰہیہ کو اسی طرح میں اپنایا تو اس فکری بحران کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ نظریۂ "بداء" پیش کر دیا کہ اسماعیل ابن جعفر کی بجائے موسیٰ بن جعفر کی طرف انتقالِ امامت کی ذمہ داری امام جعفر صادق کی بجائے اللہ تعالیٰ پر ڈال دی جائے اور ساتھ ہی اسماعیلی عقیدہ غلط ثابت ہو جائے جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ اسماعیلیوں کے نزدیک آج تک امامت ان میں جاری ہے ان کے نزدیک امام زندہ حاضر اور خانوادۂ اسماعیل بن جعفر کا فرد ہوتا ہے وہ اس طرز فکر سے انگشت برابر ادھر اُدھر نہیں ہوتے جس کی ان کے مذہب نے انہیں تعلیم دی تھی ۔

ہم ایک بار پھر نظریۂ "بداء" کی طرف آتے ہیں ۔ یہ اس زمانے میں سامنے آیا جب فرقۂ اسماعیلیہ شیعہ کے مقابلے میں ظہور پذیر ہوا اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے لگا ۔

اسی لئے ہمیں نظریۂ "بداء" کا تیسری صدی کے اوائل تک کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ آپ دیکھیں گے کہ سب سے پہلے جس کے حق میں "بداء" کا ذکر کیا گیا وہ شیعہ کے دسویں پھر گیارہویں امام ہیں حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ امام موسیٰ بن جعفر کے حق میں اس کا ذکر کیا جاتا اس لئے کہ امام موسیٰ اس نظریے کے اوّلین موضوع تھے پس امام موسیٰ، ان کے بیٹے علی رضا ان کے پوتے محمد الجواد ان میں سے کسی کو ایسے کلمے سے خطاب نہیں کیا گیا جس سے ان کے حق میں حصولِ "بداء" (اللہ تعالیٰ کے لئے ظہور علم) کا اشارہ ہو۔ اس امر سے ہمارے خیال کی مزید تاکید ہوتی ہے کہ نظریۂ "بداء" کی ضرورت تب پڑی تھی جب تیسری صدی ہجری کے اوائل میں اسماعیلی مذہب کا رجحان عالم وجود کی طرف اپنا راستہ پیدا کر رہا تھا اور شیعہ کے دسویں اور گیارہویں امام کا یہی زمانہ تھا۔

بعض کبار علماءِ شیعہ نظریۂ "بداء" کے اس لئے قائل ہوئے تاکہ اسماعیل بن جعفر کی طرف انتقالِ امامت سے تسلسل امامت میں جو تبدیلی رونما ہوئی اس کا ثبوت فراہم کریں حالانکہ شیعہ اور تشیع کے مابین اختلاف سے قبل امامت اور سلسلہ وار اس کی منتقلی پر خود شیعہ نے جو اس کی صورت پیش کی تھی، کے لئے ارادۂ الٰہی میں تغیر اور علیم و خبیر الٰہ العالمین کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی کہ اس ذات والا صفات کو ظہور واقعہ کے بعد اس کا علم ہوتا ہے، نامزد امام کی انتقال امامت سے قبل وفات کی صورت میں اس کا جانشین خود بخود نامزد ہو جاتا اور امامت اسے منتقل ہو جاتی جیسا کہ امام جعفر جن کے سامنے ان کے نامزد بیٹے کی وفات ہوئی نے وصیت کر دی تھی بلاشبہ انہوں نے بتا دیا تھا کہ کون ان کے بعد فقہ و فتوے کے لئے مسند نشین ہوگا۔ امام اور شرعی وارث کی تعیین کے بارے میں امام موصوف کا کلام فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔

نظریۂ "بداء" (اللہ کے لئے ظہورِ علم) کتب تشیع میں کافی اہمیت و طوالت کا حامل موضوع ہے۔ بعض علماء نے تو اس پر مستقل کتابیں لکھیں یا اپنی کتب میں مستقل فصول

اس نظریہ کا اور اس کے نتائج کا دفاع کرنے کے لئے مخصوص کی ہیں۔ یہ بحث وجدل بالآخر فلسفیانہ اور کلامی مباحث تک پہنچے اور علم کلام کی کتابوں کے کئی کئی اجزاء ارادہ الٰہی جیسی مابعد الطبیعیات بحثوں کی نذر ہوئے، مثلاً کیا اشیاء کی اجل حتمی اور مقرب ہے؟ کیا احتیاط سے تقدیر اور صعوقات سے آزمائش مل جاتی ہے؟ اور ایسی دیگر بحثیں جنہیں اہل علم وفضل کے علاوہ ہر وہ شخص سمجھتا ہے جسے معتزلہ واشاعرہ وغیرہ متکلمین اسلام کے مابین فکری اختلاف کے موضوع سے دلچسپی ہو، ایسے ہی بعض علماء شیعہ نے "بداء" کے فکری ورطہ سے خلاصی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ نسخ کی قسمیں بنا دی ہیں: کہ ایک نسخ تشریعی ہوتا ہے اور دوسرا تکوینی، بداء کا تعلق نسخ تکوینی سے ہے۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ "بداء" کے موضوع پر لکھنے والوں کو درج ذیل آیت میں اپنی اس مشکل کا ــ اگر واقعی یہ مشکل ہے ــ کوئی حل ملا یا نہیں، فرمایا:

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ "(۱)

"اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔"

بہر حال جن لوگوں نے "بداء" کے موضوع پر کچھ لکھا اور تالیف کیا ہے انہوں نے پہلے سے موجود اوہام وسوفسطائیت میں مزید اضافہ کرنے کے علاوہ کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ اگر یہ حضرات اپنی اس مشکل کا حل مذکورہ بالا آیت میں تلاش کرتے تو ان کے لئے اس سے نکلنے کا بہترین راستہ تھا جس میں انہوں نے خود کو ڈال رکھا ہے اب اس سے نکلنے کی انہیں صرف ایک ہی صورت سمجھ آئی ہے اور وہ ہے قدرت وسلطان الٰہی میں طعنہ زنی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور کرنے کا ہوتا ہے مگر بعد میں اسے پتہ چلتا ہے کہ ایسے نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

---

(۱) الرعد: ۳۹

یہاں سے ہم ایک اہم ترین نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ و تصادم کے پس پردہ پالیسی سازوں نے اپنی نیتوں اور مقاصد میں ورع و احتیاط سے ہرگز کام نہیں لیا حتی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صفات کے بارے میں بھی زبان درازی سے باز نہیں رہے۔ ان کی غرض تو صرف یہ تھی کہ عقل و منطق اور عقیدہ کی اساس کے منافی اہداف و مقاصد بروئے کار لا سکیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں اور اخلاص سے دعا گو بھی ہوں کہ یہ شب دیجور جلد سحر میں تبدیل ہو باصلاحیت اور شفاف دلوں پر آفتاب حقیقت کی کرنیں پڑیں تاکہ وہ حق قبول کر کے مقاصد تصحیح و اصلاح کے حصول کے لئے جد و جہد کریں، ہر شخص اپنی ہمت و طاقت کے مطابق کام کرے ایسا کرنے سے شیعہ عہد رسالت کی طرف رجوع کریں گے اور نئی اخلاقی قدروں سے بہرہ ور ہوں گے۔

اصلاح

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اب مزید تاکید سے کہتے ہیں کہ شیعہ حضرات کو "بداء" نام کی کسی فکری مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا کہ جس جملہ کیطرف ہم نے اشارہ کیا ہے اسے پڑھتے ہوئے آرام سے گزر جاتے ہیں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے کیونکہ یہ جملہ مبہم اور غیر واضح ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فکر وخیال کئی مقامات پر ذکر ہوا ہے اور شیعہ حضرات "سرمن رائی" میں ہر صبح وشام جب دونوں عسکری اماموں کی قبر پر سلام کے لئے حاضری دیتے ہیں تو یہ عبارت بار بار دہراتے ہیں۔ اور یہ بات بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیعہ کے دینی مراجع میں سے کسی ایک نے یا علماء میں سے کسی عالم نے کتبِ زیارات میں سے اس جملہ کو حذف کرنے کا حکم دیا ہو جن کی تعداد دسیوں جلدوں سے زیادہ ہے۔ ایسے ہی ہمارے بڑوں کا کوئی ایسا گروہ بھی نہیں ہے جس نے اس جملہ پر اجمالاً یا تفصیلاً، خفیہ یا ظاہر نکیر کی ہو۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ نظریۂ "بداء" من گھڑت افکار میں سے ہے اور مذکورہ عبارت موضوع اور ائمہ کے نام غلط منسوب کی گئی ہے اور پھر اس کلام میں داخل کر دی گئی ہے جو دسویں اور گیارہویں امام کی قبروں پر دہرائی جاتی ہے۔ اس خانہ ساز عبارت کی تصنیف کا زمانہ یقیناً جیسا کہ ہم تھوڑا پہلے ثابت کر چکے ہیں شیعہ اور تشیع میں اختلاف کا پہلا عہد ہے۔

یہاں میں ایک بار پھر تاکید سے کہوں گا کہ ہمیں اپنی علمی تراث کی جو ہمیں ماضی سے ورثے میں ملی اور اسے شیعہ عقائد میں داخل کر دیا گیا۔ خصوصاً ان حصوں کی، جن سے ذات الٰہی کی تنقیص ہوتی ہے۔ رسول اللہ کے ساتھ گستاخی ہے، خلفاء رسول کے ساتھ ناروا سلوک ہے یا ائمہ شیعہ جو تمام مسلمانوں کے بھی امام ہیں، کے حق میں دروغ گوئی ہے، چھان بین کرنی چاہیئے۔

تحریکِ اصلاح و تصحیح

کامیابی اور ناکامی کا جائزہ

افکار و آراء کی ہلاکت خیز اور غیر فطری دسیسہ کاریوں کی اصلاح کو قرآن کریم، سنّتِ رسول ؐ، عقل اور فطرت سلیمہ سبھی فرض قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ جن پُر تاثیر پند و نصائح کے سوتے ان مصفّیٰ چشموں سے پھوٹیں گے، یقیناً صاف دلوں اور آمادہ بکار نفوس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے اور ایسے قلب و مزاج کے لوگ فوج در فوج رشد و ہدایت سے بہرہ ور ہوں گے۔

تحریک اصلاح و تصحیح جس کے لئے ہم نے شیعہ اور شیعیت کی تاریخ میں
پہلی مرتبہ آواز بلند کی ہے بلا شبہ اسے شیعی دنیا کی سطح پر مختلف قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا
پڑے گا اور یہ ردعمل ہر طبقہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں تک تحریک اصلاح کی آواز پہنچے گی۔
اور یہ طبعی امر ہے کہ دینی زعماء اور فرقہ پرستی کے تاجروں کے گروہ (جن کی قیادت مذہبی نما
کریں گے) اس تحریک اصلاح کے مقابلہ کے لئے پوری قوت و کوشش صرف کردیں گے۔ ان
لوگوں کو اس ردعمل کے اظہار میں جو کہ شدید بھی ہو سکتا ہے ہم معذور سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ
تحریک اصلاح و تصحیح کے خطرے سے ان کے عزو شرف، بے پناہ اختیارات نیز اس ڈھانچہ
کو چیلنج کر رکھا ہے جس پر انہوں نے کئی صدیوں سے وسیع و عریض امیدوں کے محلات کی بنیاد رکھی
تھی، البتہ اس میں بھی شک نہیں کہ فرزندانِ شیعہ میں سے تعلیم یافتہ، ہوشمند لوگوں کی
واضح اکثریت اس پکار پر لبیک کہے گی اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اس کا دفاع
کرے گی کیوں کہ اس میں دنیا کی عزت بھی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔

اس مقام پر میں بیدار مغز طبقہ۔ جس کے ساتھ تحریک اصلاح کی کامیابی
کی امیدیں وابستہ ہیں۔ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کلمہ حق میں فی نفسہ
ایک طاقت ہوتی ہے جو اسے زوردار بناتی ہے لوگوں کو اس کی طرف بلانے کیلئے کسی

تشدد اور سنگدلی کے مظاہرہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہمارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کر کے فرماتا ہے :

"وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" (آل عمران ۱۵۹)

"اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے"

ایک اور مقام پر مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے ،

"اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ" (النحل ۱۲۵)

"اے پیغمبر ! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو"

اس لئے جن لوگوں کے کندھوں پر دعوتِ اصلاح و تبلیغ کی ذمہ داری ہے ان کا فرض ہے کہ دوسروں سے مخاطب ہوتے وقت خوش خلقی اور عدم تشدد کی راہ اختیار کریں خصوصاً بزرگوں اور عمر رسیدہ افراد کے ساتھ اس لئے کہ بڑھاپے میں انتہاء کو پہنچ جانے والوں کے لئے ایسے کاموں اور باتوں کو یک لخت چھوڑنا آسان نہیں ہوتا جن کی انہیں بچپن سے باہتمام تربیت دی گئی ہو اور وہ اس کے عادی بن چکے ہوں۔

اس ضمن میں تمام مثالوں کا شمار ممکن نہیں بطور مثال چند چیزوں پر غور کریں۔

تم خود سوچو کہ جو شخص بچپن سے غیر اللہ (وہ نبی ہو، امام یا ولی) سے مدد مانگنے اور اسے "یا" کہہ کر پکارنے کا عادی ہے۔ ایک ہی دن میں اس عادت سے

کیسے دستبردار ہو سکتا ہے ؟

شیعہ میں سے بہت سے مدد مانگنے کے لئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ہم شیعہ لوگ ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے مدد کیوں مانگتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ صرف اسی سے مدد مانگیں۔

"إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۔" (۱)

"اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔"

اس نے اپنے بندوں کو یہ کہہ کر مخاطب فرمایا :

اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔" (۲)

"مجھ سے دُعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

اور اللہ سبحانہ نے دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۔" (۳)

"اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔"

(۱) الفاتحہ : ۵

(۲) غافر : ۶۰

(۳) ق : ۱۶

اس کے علاوہ بھی کتنی ہی آیات اسی مضمون کی ہیں۔ بھلا بتاؤ کہ کیا شیعہ کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ "حسینی مٹی" (خاک کربلا) جو کئی طرح سے بنائی جاتی ہے جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ پر سجدہ کرنا چھوڑ دیں۔ آسان ہے؟ خصوصاً جب کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے دینی راہنما اپنی نمازوں میں اسی پر سجدہ کرتے ہیں اور ان کی مسجدیں اس سے بھری پڑی ہیں۔

کیا شیعہ کو غیر اللہ کی عبودیت پر مشتمل نام رکھنے سے باز رہنے پر آمادہ کرنا آسان ہے؟ یہ ایک ایسا رجحان ہے جو ہم کسی بھی دوسرے اسلامی بلکہ غیر اسلامی قوم کے ہاں بھی نہیں پاتے شیعہ ہی وہ واحد گروہ ہے جو اپنے بچوں کے ناموں تک میں غیر اللہ کی عبادت پر گامزن ہے۔

جب ہم امام علیؓ سے لے کر آخری امام تک شیعہ کی تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ملتا جس نے اپنی اولاد کا نام اللہ کے سوا کسی اور کے "عبد" کے طور پر رکھا ہو۔ میں نہیں جانتا کہ شیعہ نے یہ نام رکھنے کب سے شروع کئے جو اسلام کی روح کے ساتھ متصادم ہیں چوں کہ عبودیت کا تعلق صرف اللہ سے خاص ہے اس کے سوا کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا انسان کسی دوسرے انسان کا عبد نہیں ہو سکتا خواہ اس انسان کا مرتبہ اللہ کے ہاں کتنا ہی بلند ہو۔

ایک بار پھر میں اصلاح کی دعوت دینے والوں کو تاکید کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ شیعہ کی فکری کج روی میں تبدیلی شب بھر میں ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لئے طویل وقت مسلسل محنت، صبر اور تربیت کی ضرورت ہے تاکہ تحریک اصلاح و تصحیح دلوں میں جگہ بنا سکے۔

اس لیے یہ بہت اہم اور نازک ذمہ داری ہے اس سے تدریج عہدہ برآ ہونا چاہیے خصوصاً ایسے حالات میں کہ اس تحریک کو ان لوگوں کی جانب سے

شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو جن کی طرف ہم اس فصل کی ابتداء میں اشارہ کر چکے ہیں اسی طرح ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ استعماری طاقتوں کے متعلق کبھی غفلت کا شکار نہ ہوں جو ہر وقت مسلمانوں کے لئے گھات میں رہتی ہیں اور نہیں چاہتیں کہ مسلمان متحد ہوں بلکہ ان کے درمیان تفرقہ ڈالنے کیلئے کوشاں رہتی ہیں اس کام کے لئے وہ خود بھی پوری محنت و کوشش صرف کر رہے ہیں اور تحریکِ اصلاح کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے کرائے کے ایسے افراد کو بھی ذریعہ بنایا ہے جن کی گزران ہی فرقہ پرستی اور باہمی نفرت کے جذبات کو ہوا دینے پر ہے اور انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور کچھ ایسے سادہ مزاج لوگ بھی ہیں جن کے متعلق امام علیؑ نے یہ کہہ کر اظہار خیال فرمایا،

همج رعاع أتباع كل ناعق يميلون مع كل ريح لم يستضيئوا بنور الله ‫"‬

"منتشر، غیر منظم، ہوا کے رُخ پر چلنے والے اور ہر نعرہ لگانے والے کے پیچھے چل پڑنے والے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نورِ ہدایت سے کوئی فیض حاصل نہیں کیا"

یہ لوگ اپنے مذہبی رہنماؤں کے قافلے میں چلتے ہیں ان کا ہر حکم مانتے ہیں، یہی لوگ ان بدعتوں کو رواج دینے والے ہیں جو گزشتہ صدیوں کے دوران شیعہ مذہب کے سر منڈھ دی گئیں۔

یہ تمام قوتیں تحریکِ اصلاح و تصحیح پر وار کرنے کے لئے یک مشت ہو جائیں لیکن میں پہلے ہی بتا دوں کہ تحریکِ اصلاح کا مقابلہ کرنا ایک مضبوط اور ٹھوس دیوار سے ٹکریں مارنے کے مترادف ہے جس میں کوئی بھی قوت کبھی سرنگ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس تحریک کی بنیاد کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور حضرت علیؑ کے قول و عمل پر رکھی ہے جنہیں خود شیعہ مذہب کے فقہاء اپنے لئے حجت مانتے ہیں اس

کے بعد اس تحریک کی بنیاد عقل کے مضبوط ستون پر قائم ہے جسے علماءِ شیعہ شرعی احکام کے استنباط کے ارکان میں سے چوتھا رکن مانتے ہیں یہ چاروں ستون علماء شیعہ پر حجت ہیں اور وہ کسی حالت میں بھی ان سے صرف نظر نہیں کر سکتے اور نہ انہیں منہدم کر سکے ہیں نہ کر سکیں گے۔

اس مقام پر شروع کے مضمون کو دہراتے ہوئے صراحت کے ساتھ اشارہ کرنا ضروری ہے شیعہ روایات کی کتب خصوصاً وہ کتابیں جو ہمارے فقہاء کے نزدیک ثقہ اور قابلِ اعتماد تصور کی جاتی ہیں۔ ائمہ کی طرف منسوب ایسی روایات سے خالی نہیں ہیں جو ضروریات دین، اسلام کے بنیادی اصولوں سے واضح طور پر متصادم ہیں اور ان چار اصولوں سے بھی ٹکراؤ رکھتی ہیں۔ جنہیں شیعہ فقہاء فقہی احکام کے استنباط کے لئے بنیاد مانتے ہیں ان کتابوں میں اس قسم کی من گھڑت اور آئمہ شیعہ کی طرف منسوب روایات۔ جنہوں نے مخالفِ کتاب و سنت اپنی طرف منسوب ہر روایت کو رد کر دینے کا حکم دیا۔ کو تحریک اصلاح اور اس کے مقاصد کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

اسی لئے ہم ہوشمند تعلیم یافتہ طبقہ کو جسے ہم اصلاح کا اول و آخر سہارا سمجھتے ہیں۔ تنبیہہ کرتے ہیں کہ ایسی روایات ہیں۔ جن پر ہمارے فقہاء و علماء شیعہ مذہب میں داخل کی گئی بدعات کو ثابت کرنے کے لئے اعتماد کرتے ہیں کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عقلِ سلیم کو فیصل بنائیں اور ہر شخص کو ان غلط، صحیح، رطب و یابس باتوں کے معاملے میں جو انہیں آئمہ سے وارد ہونے والی روایات کے نام سے سنائی جاتی ہیں۔ خود فیصل بننا ہوگا۔ صدیوں سے شیعہ کے قلوب و اذہان پر ڈالی گئی زنجیروں کے بندھنوں سے خلاصی پانے کا یہی واحد طریقہ ہے۔

ایک برس سے زیادہ مدت ہوئی دنیا نے شیعہ مذہب کے ایک معتمد عالم کو طہران میں شیعہ عوام کے سامنے براہِ راست نشر ہونے والے خطاب میں یہ کہتے ہوئے سُنا:

"جبریل حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے پاس ان کے والد
گرامیؐ کی وفات کے بعد آتے تھے اور بہت سے
معاملات کے متعلق انہیں خبر دیتے تھے۔"

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ بات ضروریاتِ دین اور اسلام کے بنیادی عقائد کے منافی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے لیکن یہ بات مذکورہ فقیہ کی زبان پر ان من گھڑت روایات پر اعتماد کے سبب آئی جن سے کتب شیعہ کی تطہیر کا مطالبہ ہم طویل عرصے سے کر رہے ہیں اس سے بھی بڑھ کر تعجب اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے کلام کو فقیہ مذکور کے ہم مرتبہ ساتھیوں اور رفقاء کی جانب سے کسی بھی اعتراض کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ انہوں نے خاموشی سے اس روایت کی صحت کی تائید کر دی اور خاموشی رضامندی کی علامات میں سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم شیعہ مذہب کے سر تھوپی جانے والی بدعات کی بڑی ذمہ داری شیعہ مذہب کے علماء و زعماء پر ڈالتے ہیں جنہوں نے ان بدعات کے حق میں مؤیدانہ یا معاندانہ رویہ اختیار کیا ہے۔

یہ دیکھیے امام علیؓ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل میں مشغول ہوئے تو آپؐ کو مخاطب کر کے کہا،

بأبی أنت و أمی لقد انقطع بموتك مالم ینقطع بموت غیرك من النبوة و الأنباء و أخبار السماء ۔ (۱)

"میرا باپ اور ماں آپؐ پر نثار آپ کی وفات

(۱)۔ نہج البلاغہ ج ۳ ص ۲۲۸

سے نبوت اور آسمان سے خبریں آنے کا سلسلہ
منقطع ہوگیا جو آپ کے سوا کسی کی موت سے منقطع
نہیں ہوا تھا۔"

اور اس سب کچھ کے بعد اصلاح و تصحیح کو رد کرنے والے گروہوں کا جب تمام معاشروں میں بائیکاٹ کر دیا جائے گا اور ہر طرف سے ان پر دلائل کی بوچھاڑ کر دی جائے گی تو وہ کیا راستہ اختیار کریں گے اور کہاں جائیں گے؟

بیشمار طبائع، جاہلوں اور استعمار کے ایجنٹوں کا عام طور پر ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے نظریۂ دعوت پیش کرنے والے پر طعن و تشنیع اور الزامات کا راستہ، ان کی حالت بالکل ان لوگوں کی سی ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ محکم میں یہ فرما کر کیا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ
بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ
دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ
أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ
وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ
فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (۱)

" اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے
تو سوت کاتا پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا کہ
تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے

(۱) النحل ۹۲

مگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ غالب رہے
بات یہ ہے کہ اللہ تمہیں اس سے آزماتا ہے اور جن
باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اس کی
حقیقت تم پر ظاہر کر دے گا"۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا
ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ثَانِیَ عِطْفِہٖ
لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَہٗ فِی الدُّنْیَا
خِزْیٌ وَّ نُذِیْقُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۞ (۱)

○ اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی شان میں
بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت کے، اور بغیر کتاب
روشن کے جھگڑتا ہے (اور تکبر سے) گردن موڑ لیتا
ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے رستے سے گمراہ کر دے
اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے
دن ہم اسے عذاب (آتش) سوزاں کا مزا
چکھائیں گے۔

(۱) الحج ۸-۹

بسم الله الرحمن الرحيم

اجازة

الحمد لله الذي اجاز للعلماء ما اجاز وصلى الله على محمد وآله مجاز الحقيقة وحقيقة المجاز
وبعد فان جناب العالم الفاضل ثقة الاسلام الآغا موسى حفيد المرحوم
آية الله العظمى السيد ابو الحسن الاصفهاني الموسوي رضوان الله عليه ممن بذل
جهده في تحصيل العلوم الشرعية حتى حاز بحمد الله تعالى رتبة ملكة الاجتهاد
مقرونة بالصلاح والسداد وقد اجزت له لاهليته ان يروي عني
ما صحت لي روايته من مشايخي العظام وعلمائنا الكرام وامل ان
لا ينساني من صالح دعواته كما لا انساه والله سبحانه ولي فضله وعدله

صدر من مدرستنا العلمية
بالنجف الاشرف

بدعاء
محمد الحسين
كاشف
الغطاء

١٣٧١

مؤلف کتاب ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی فقہ اسلامی میں اعلیٰ تعلیم کی ڈگری "الاجتہاد" کا عکس جو علامہ موصوف نے ۳۵ برس قبل حوزہ علمیہ نجف اشرف کے دینی مرجع اعلیٰ الشیخ محمد الحسین آل کاشف الغطاء سے حاصل کی۔